ماہنامہ

قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

شمارہ:68   ماہ/اگست2018

QINDEEL-E-ADUB INTERNATIONAL
80 STRATHDONE DRIVE SW170PW LONDON
(M) 0044-7886-304637, 02089449385
www.qindeel-e-adub.com, ranarazzaq52@gmail.com

اُردو ادب کا بین الاقوامی میگزین جو لندن سے شائع ہوتا ہے۔

ऊर्दू अदब का अंतरराष्ट्रीय मैगज़ीन जो लंदन से प्रकाशित होता है

A Magazine of Urdu Literature and Poetry from London

24 YEAR EXPERIENCE FAST TRACK UMRA VISA SERVICE

Special Flight

But Choice For Worldwide Flights

عمرہ اور ویزہ کے جلد حصول اور مناسب قیمتوں پر ٹکٹ اور
ویزہ کیلئے ہم سے رابطہ کریں۔ ہمیں پچھلے 24 سالوں سے
عوام کی خدمت کا موقع مل رہا ہے۔ دُنیا بھر کے ممالک
کیلئے کسی بھی وقت اور کسی بھی ایئر لائن کی ٹکٹ کے حصول
کیلئے ہم سے رابطہ کریں۔ ہم آپ کو انشاء اللہ تعالیٰ فوری
اور مناسب داموں پر ٹکٹ مہیا کر کے دیں گے۔

IATA

we are working under
IATA and ATOL bonded agent

Unit 47, Broadway Market, London SW170RJ

Tel: 020 8672 2693

Email: Specialflights@btinternet.com

Wimbledon Solicitors

AKEEL MIYAN IMMIGRATION CONSULTANT

T: 020 8543 3302 F: 020 8543 3303

E: akeel@wimbledonsolicitors.net

w: www.wimbledonsolicitors.net

191 Merton Road, South Wimbledon, London, SW19 1EE

271 Balham High Road, Tooting Bec, London SW17 7BD

24 HOUR HELPLINE: 0788 303 1585 / 079 5844 0790

We specialist in immigration, Family Law and Child Care matters and public funded service (Legal Aid). We have qualify staff who are able to converse in Hindi, Urdu, Pashto, Gujarati, Telugu, and Tamil. Injured in an Accident and not your fault? Contact our specialist Personal Injury Department. We deal with RTA, MIB and CICA claims.

* **No-WIN-No FEE** * **100% Compensation** (no deductions)

* **Quick settlement** * **Home Visits.**

Call us on **020 8767 0800**

Concept 2Print

DIGITAL LITHO

A Complete Design & Print Service

CONCEPT • DESIGN • PRINT • FINISH

- Business Cards
- Folders
- Booklets
- Books
- Pull up Banners
- Greeting Cards
- Letterheads
- NCR Pads
- Calendars
- Flyers
- Wedding Cards
- Invitation Cards
- Compliment Slips
- Brochures
- Posters

t:0203 603 7582
e:info@concept2print.co.uk

Concept2Print Ltd.
106 High Street • Colliers Wood • London • SW19 2BT
www.concept2print.co.uk

GREAT TYRES

NEW & PART-WORN TYRES

we do: Allignment, balancing, puncture repair, budget tyres, branded tyres, summer tyres, winter tyres, all weather tyres, commercial tyres, 4x4 tyres, run flat tyres

CALL US NOW: 02035833733 - 07474874518
07402626333

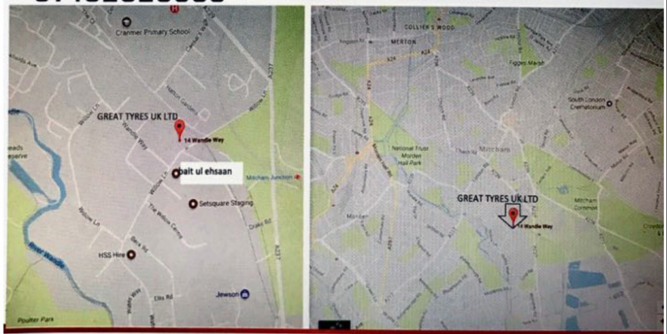

UNIT 9, FALCON BUSINESS CENTRE
14 WANDLE WAY, MITCHAM, CR44FG
07474874518 - 07402626333

VISIT US ON:
E-BAY: greatyresukltd
f book: @greattyres
instagram: greattyres
twitter: greattyres@yahoo.com

BSC ELECTRICAL ENGINEERS

Part P Approved Contractor
Certification
Rewire PAT Testing
Replacement Fuse Board
Fault Detection

Contact:
SAMIULLAH
07432715797
E-mail:

ssami19693@hotmail.com
Web: bscelectricalengineers.co.uk

HEATING LTD.

24/7 EMERGENCY SERVICE

Domestic & Commercial
Contact: 07722 222 965
www.247breakdownsolution.co.uk

مجلس ادارت

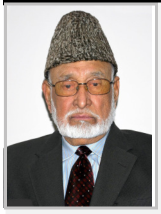

بانی رُکن

خان بشیر احمد رفیق مرحوم

مدیر

رانا عبدالرزاق خان

اراکین ادارتی بورڈ

آدم چغتائی، ڈاکٹر منور احمد کنڈے، رضیہ اسمٰعیل برمنگھم، رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، اے حق یوکے ٹائمز، ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد، ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔ امجد مرزا امجد، طارق مرزا آسٹریلیا، عبد القدیر کوکب، بشارت احمد چیمہ۔

التماس

ہم سب دوستوں سے التماس کرتے ہیں کہ اپنے ادبی فن پارے ، غزل، نظم، افسانہ، مشاعرے کی روئیداد وغیرہ جو بھی ان پیج میں ارسال کیا جائے گا ۔ بلا تفریق اسے معیار کے مطابق شائع کر دیا جائے گا۔ مراسلہ نگاروں کی قدر کی جاتی ہے۔ قندیل ادب اکثر مما لک میں لاکھوں قارئین تک جاتا ہے۔ اور ویب سائٹ سے بھی پڑھا جاتا ہے۔ اگر آپ کے پاس ادبی فن پارے کوئی نہیں تو اپنے ریمارکس ہی ارسال کر دیا کریں تا کہ ہم اپنا محاسبہ کرتے رہا کریں۔ شکریہ

رانا عبد الرزاق خاں

فہرست مضامین

چودہ اگست ۔ یومِ محاسبہ	5
غزلیات: ناصرہ رفیق، مظفر عارفی، لئیق احمد عابد، حضرت حافظ سید مختار احمد مختار شاہجہانپوری ،عبدالکریم قدسی ،عبدالکریم خالد، آصف محمود ڈار، مقصود احمد منیب عبدالسلام اسلام، عبدالصمد قریشی، امجد مرزا امجد، ڈاکٹر منور احمد کنڈے، رفیع رضا، اطہر حفیظ فراز، خالد ملک ساحلؔ سیدہ کوثر منور شرقپوری (نیلم)، خالد ملک ساحل، شاکر حسین شاکر، بشارت احمد بشارت، خالد عرفان، عبدالجلیل عباد ہمبرگ ،شوق انصاری، اسحاق ساجد، عاصی صحرائی ، طاہر مجید جرمنی، ارشاد عرشی ملک، طاہر بٹ امریکہ، چودھری مسعود احمد جرمنی، آدم چغتائی برمنگھم، صابر ظفر، خواجہ عبدالمومن ناروے، مبارک احمد ظفر لندن، صابر ظفر، طفیل عامر سندھو، عذرناز، جمیل الرحمن، گلزیب گلزیبا، سبینہ سحر،	6 to

آپ کے خطوط

نامے جو میرے نام آتے ہیں

اس ماہ خاور مرزا صاحب اور عمران مشتاق صاحب کی طرف سے شکایت موصول ہوئی تھی کہ اس رسالے کو ادبی رہنے دیں ۔ مذہبی رسالہ نہ بنائیں ۔گزارش ہے کہ ایڈیٹر کا مراسلہ نگار سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ احباب کی اپنی اپنی رائے ہے ۔ ہر کوئی اپنی رائے بیان کرنے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔ بعض دوستوں نے ٹائٹل پیج کی تصویر پر بھی تنقید کی ہے۔ اس کے متعلق گزارش ہے کہ ظلم کسی طرح کا بھی ہو وہ ظلم ہی ہوتا ہے۔ چاہے وہ مذہب یا سیاست، یا کسی بھی نام پر کیا جائے۔ کسی کی عبادت گاہ یا مساجد کو جلانے والے ظالم ہی ہوتے ہیں۔ اس رسالے میں بلا تفریق مذہب وملت سب کا نقطہ نظر بیان کیا جاتا ہے۔ کسی کا مذہب کچھ بھی ہو اگر اس پر کوئی ظلم ہوا ہے تو اس کا تذکرہ اس میں ہو سکتا ہے۔ اسی لئے یہ منفرد رسالہ ہے جو سب کو برابر سمجھتا ہے اور برابری کے حقوق دینے کا قائل ہے۔ لہٰذا یہ رسالہ مذہبی نہیں ادبی ہی ہے۔ آپ بلا تکلف اپنے شذرات ارسال فرمایا کریں شکریہ (ادارہ)

ثاقب زیروی۔ محمد اسحاق اطہر۔		14
ہمارا ماضی	جل خوشاب	15
حقائق	واحد اللہ جاوید	20
عامر لیاقت کا مقام	ادارہ	20
گوادر کی ہیرو۔ ایک مادر مہربان	وقار النساء نون لالہ صحرائی	21
نواز شریف ہندوؤں کے بھگوان	مستنصر حسین تارڑ	24
قدسیہ بانو	ادارہ	25
میں بھوکا ہوں	چوہدری نعیم احمد باجوہ	26
اشفاق احمد	ثقلین شاہ	28
جنرل یحییٰ خان کی داشتائیں	نذیر ناجی	28
کالا باغ ڈیم ۔ ایک قدرتی تحفہ	عاصی صحرائی	29
الیکشن کہاں ہے؟	آصف محمود	32
کیپ ٹاؤن شہر نہیں....آخری وارننگ ہے!	عاصی صحرائی	34
لال مسجد آپریشن کیوں ہوا؟ کچھ حقائق	اے آر خان	35
دلچسپ اور سبق آموز واقعہ	عبدالوحید خان رانا	37
زعیم قادری کا زعم	چوہدری نعیم احمد باجوہ	38
امجد مرزا کے ساتھ چند قہقہے	ادارہ	40
اُم عائشہ چیریٹی کی جانب سے عید مبارک کا پروگرام	امجد مرزا امجد	41

ادارِیہ

چودہ اگست - یومِ محاسبہ

نئی نسل کو نہ سہی اہلِ وطن کا وہ حصہ جس کی آنکھوں نے دُنیا کے نقشے پر اس مملکتِ عزیز (پاکستان) کی حدود کو اُبھرتے دیکھا ہے۔اُسے تو بہر حال کچھ نہ کچھ یاد ہوگا۔اپنے رَب سے اس ارضِ پاک کی نعمت مانگتے وقت ہم نے کیا کیا عہد کئے تھے۔کیسے کیسے نیک، نیک اور تعمیری اور بلند عزائم کا اظہار کیا تھا...اور یقیناً صورت وشکل بھی اُس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوگی۔کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں اس نعمتِ عظمیٰ کا وارث بنا دیئے جانے کے بعد ہم نے اپنے وعدوں کو کس کس طرح پورا کیا اور نبھایا۔اسی طرح نہ کہ لادینیت، اشتراکیت اور الحاد و زندقہ کی لعنتیں مختلف النوع خوش نما و خوش آئیند جُتے پہن کر ہمارے فکر و احساس کی صفوں میں در آئیں۔ہم نے نعرہ لگایا تھا...کہ اس خطہ ارض میں ہم اپنے نظریات اور اپنی نئی نسل کی تعمیر و تربیت خالصتاً اسلامی نظریات و تعلیم کی روشنی میں کریں گے۔...لیکن...عملاً ہم نے اپنے ۱۹۴۷ء سے پہلے والے اسلام کو بھی خیر باد کہہ دیا۔اور اپنے آپ کو ہوس زَر و مال کے سپرد کر کے اپنی آئندہ نسل کی تربیت و تعمیر سراسر ناجائز، ناروا بلکہ حرام طریقوں سے حاصل کردہ یافتوں سے افرنگیت اور بے راہ و بے غیرت مغربی تہذیب کی لائنوں پر شروع کر دی۔

ہم نے بلند آواز میں اپنے عزائم کا اعلان کیا تھا کہ...ہم اس خطہ ارض موسوم بہ پاکستان کے داخلی وخارجی دشمنوں سے ہمیشہ چوکنّے اور چوکس رہیں گے قیامِ پاکستان کے دشمنوں کو کبھی منہ نہ لگائیں گے۔اپنے ہمسایہ دشمن بھارت کے تنخواہ داروں کو کبھی گھاس نہیں ڈالیں گے۔ففتھ کالموں سے ہشیار رہیں گے اور اسلام کے دُشمن، منزہ، اتحاد اور انسانیت دوست تعلیم پر عمل کرتے ہوئے ہم جلد ہی ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں گے۔کہ دشمن ہمارے اندر داخل ہو کر ریشہ دوانی کرنا تو رہا ایک طرف وہ ہماری طرف میلی نگاہ سے بھی دیکھنے کی جرات نہیں کرے گا۔لیکن اس بے نیازی، عدم تدبر اور عدم تدبر (حفظ وطن ایسے اہم فریضے سے) بے خبری کے باعث ہم نے اپنی دیکھنے والی آنکھوں سے یہاں محبت وطن سے کہیں زیادہ دشمنانِ وطن کو پھلتے پھولتے دیکھا۔اور ٹس سے مس نہ ہوئے۔ففتھ کالموں اور دشمنانِ وطن کے پٹھوؤں کو کیفر کردار تک پہنچانے کی بجائے سربراہانِ حکومت کی سطوتوں کو للکارتے اور سالمیتِ وطن پر تبر چلاتے دیکھا مگر ہمارے کانوں تک جوں تک نہ رینگی۔حتیٰ کہ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے بدخواہانِ وطن کینچلی بدل کر محبانِ وطن بلکہ رہنمایانِ وطن بن گئے۔اور ہم نے اُن کی اندھا دھند تقلید کو وظیفہ حیات بنا لیا۔ہم نے اپنے اس یقین محکم کا ڈھول پیٹا تھا کہ ہم یہاں اسلامی رواداری اور اسلامی نظام اقتصاد کی اساس پر ایک لاثانی و لافانی معاشرے کی تعمیر کریں گے۔

جس کے سائے میں انسانیت، شرافت، صداقت، دیانتی آزادی کلیلیں کیا کریں گی۔لیکن ہوس جاہ و اقتدار نے ہمیں بھٹکایا کہ ہم اقتدار کی کرسیاں حاصل کرنے کے لئے حیلوں بہانوں سے اپنے ہی کلمہ گو بھائیوں کی گردنوں پر چھریاں پھیرنے لگے۔حتیٰ کہ ہمیں اس غیر اسلامی ہنگامہ روی میں مصروف پا کر دشمن نے ہمارے اندر ففتھ کالم نویس پیدا کر دیئے جو اُن مسلمانوں کی حمایت کر رہے ہیں جن کی مسلح مداخلت کے باعث چالیس ہزار پاکستانی موت کی وادی میں چلے گئے۔اور اربوں کا اقتصادی نقصان ہو چکا ہے۔ہزاروں کی تعداد میں لا علاج امراض میں مبتلا ہو گئے۔اپنے نہتے اور بے بس ہموطنوں کو تہ تیغ بے دریغ کرنے کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔اور اسی قسم کی دسیوں وعدے، وعدے اور اعلان ہم نے اپنے رب، اس نئے ملک کے عوام اور اپنی آئندہ نسل سے کئے تھے۔...آیئے ذرا آج ان حقائق کی روشنی میں اپنے پچھلے سالوں کے کردار کا محاسبہ کر دیکھیں کہ ہم نے اس عرصہ میں اپنے ان نظریات، عزائم، اور مواعید کا کس کس طرح رنگ نکھارا یا حُلیہ بگاڑا ہے!۔بیشک ''محاسبہ'' ایک بڑا ہی چبھتا ہوا لفظ اور کرب انگیز عمل ہے اور سہلا الحصول دولت کے حصول کی لگن میں اپنے فکر واحساس کے جسم سے اقدار اخلاق و مروت کے تمام لبادے اُتار کر باؤلی ہوئی پھرنے والی قوموں پر بڑا ہی بھاری ہوتا ہے...لیکن...یہ بھی واضح رہے کہ جو قوم آپ اپنے محاسبے سے کنی کترانا شروع کر دے اُس سے رفتہ رفتہ غیروں اور بدخواہوں کے احتساب کی صلاحیتیں بھی چھن جایا کرتی ہیں۔

(رانا عبدالرزاق خان)

غزلیات

حمد
ناصرہ رفیق

پاک تو ذات ہے دیدار کرانا مجھکو
رُوح بے چین حرم پاک بلانا مجھکو
ہے تیرا لطف عنایات طوافوں میں بہت
اک ملاقات عنایات کرانا مجھکو
اللہ اللہ سکوں تیرے حرم کی راتیں
اب تو دن رات ہو ملنے کا بہانہ مجھکو
حرمِ پاک ریاضت ملے رب سایہ کرم
صحبتِ وصل میں سجدے ہیں سجانا مجھکو
بے کلی چین کے منظر ہیں عبادت اُسکی
ناصرؔہ سایہ رحمت ہے ٹھکانہ مجھکو

حضرت حافظ سید مختار احمد مختار شاہجہانپوری

وہ تنکے ہم جن کا آشیاں ہے
انہیں پر اب نگاہِ آسماں ہے
جگر کی ٹیس سی دل کی خلش ہو
وہ اپنا ہاتھ رکھ دیں پھر کہاں ہے
لئے پھرتا ہوں دل سی شے بغل میں
جہاں میں ہوں وہیں کوئے بتاں ہے
علاجِ درد کرتے یا نہ کرتے
مگر وہ پوچھ تو لیتے کہاں ہے
پھریں وہ عہد سے تو میں بھی پھر جاؤں
مرے منہ میں بھی کیا اُنکی زباں ہے
تم اب مجھ پہ سمجھ کر وار کرنا
خدا میرے تمہارے درمیاں ہے
درازیِ شبِ غم اللہ اللہ
کہ جو تارا جہاں تھا وہ وہاں ہے
پڑا ہے گوش خلوت میں مختارؔ
قفس میں عندلیبِ خوش بیاں ہے

مظفر عارفی

کانٹے ہیں اور پاؤں میں چھالے پڑے ہوئے
پیاسوں کے درمیاں ہیں پیالے پڑے ہوئے
آندھی بھی ہے چڑھی ہوئی، نازک ہے ڈور بھی
کچھ پیچ بھی ہیں اب کے نرالے پڑے ہوئے
یہ مقبرے ہیں شہیدانِ عشق کے
ایفائے عہد کے ہیں حوالے پڑے ہوئے
اُترا تھا چاند شہرِ دل و جاں میں ایک بار
اب تک ہیں آنگنوں میں اُجالے پڑے ہوئے
رہزن کو بھی فرار کا رستہ نہ مل سکا
چاروں طرف تھے قافلے والے پڑے ہوئے
تیرے لئے ہی اُترے ہیں یہ آسمان سے
جو غم بھی راہ میں ہوں اُٹھالے پڑے ہوئے
آمادگی کا نور غزلخواں ہے آنکھ میں
فرطِ حیا سے لب پہ ہیں تالے پڑے ہوئے
اَشکوں میں ہیں انا کی چٹانیں چھپی ہوئی
جیسے سمندروں میں ہمالے پڑے ہوئے
رہزن کا یوں پڑاؤ ہے رادھا کے کنڈ پر
جنگل میں جس طرح ہوں گوالے پڑے ہوئے
دل سربہ مُہر، کانوں میں روئی بھری ہوئی
آنکھوں میں اختلاف کے جالے پڑے ہوئے
باہر اُٹھا کے پھینک دے یہ بت غرور کے
کب سے تھے یہ مکان میں سالے پڑے ہوئے
تجدیدِ عہد کے لئے پڑھتا ہوں بار بار
گھر میں ہیں کچھ پرانے رسالے پڑے ہوئے
مظفرؔ کو فکرِ عصمتِ ایمان و آگہی
یاروں کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے

لئیق احمد عابد

ایک مشکل کام تھا کرتے رہے
"پھول سے خوشبو جدا کرتے رہے"
تیرہ و تاریک راتوں میں بھی ہم
دل کے شعلوں سے ضیاء کرتے رہے
ہو سکا نہ دردِ اُلفت کا علاج
ترکِ اُلفت کی دعا کرتے رہے
زرد پتوں میں جو بیٹھے ہم کبھی
فصلِ گل کا تذکرہ کرتے رہے
دل کے آئینے میں چپ بیٹھا رہا
ذکر جس کا جابجا کرتے رہے
دُھندلاہٹ، چاندنی، پیکر، خطوط
ہم بھی سوچوں میں یہ کیا کرتے رہے
اپنی آنکھوں پر نہ قابو پا سکے
اس کے جلووں کا گلہ کرتے رہے

وہ وفا کے نام سے نا آشنا
جس سے اُمیدِ وفا کرتے رہے
آج عابدؔ وہ زباں چپ ہوگئی
جس سے ہم شکوے ادا کرتے رہے

عبدالکریم قدسی

اُتری جو آسماں سے ابھی روشنی نئی
فتح و ظفر کی کھولے گی راہیں نئی نئی
تخئیل کی رگوں کو نیا ولولہ ملا
لحنِ صریر کو ہے ملی زندگی نئی
متلاشیانِ حق کو مبارک ہزار ہو
فضلِ خدا نے جن کو دکھائی خوشی نئی
اک آبرو کا رنگ ملا حرف وصوت کو
گلہائے گفتگو کو ملی تازگی نئی
ہے بامراد کتنا نئی جہت کا سفر
ہے آسمان عکس بھی، تصویر بھی نئی
پھر شان سے ہے مہرِ صداقت ہوا طلوع
پھر شان سے ہے بخشی گئی برتری نئی
شفافت رہ وا ہے دلائل کا آئینہ
پائیں گے لوگ علم نیا آگہی نئی
یاد آ رہے ہیں آج ہمیں بوریا نشیں
جن کی دعاؤں سے ہے عمارت بنی نئی
قدسیؔ یہ سب ہیں شانِ کریمی کے سلسلے
بخشی ہے جس نے شکر کی توفیق بھی نئی

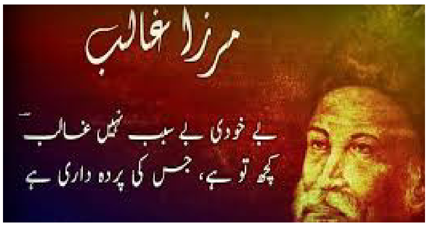

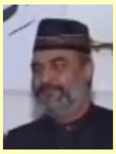

عبدالکریم خالد

شکستہ پر سہی لیکن کوئی پرواز کر ڈالیں
مقدر میں یہی ہے تو چلو آغاز کر ڈالیں
لرزتا ہے بدن سارا کسی احساس میں رَقصاں
غزل لکھیں لہو سے ہم رگوں کو ساز کر ڈالیں
چلو اِک کام کرتے ہیں ذرا دل کو بڑا کر کے
ستم جتنے بھی اُس کے ہیں نظر انداز کر ڈالیں
چمن میں پھول کھلنے سے ذرا آہٹ نہیں ہوتی
کسی موہوم جنبش سے دریچے باز کر ڈالیں
یہ ریزہ ریزہ غم اپنے اُچھالیں یا سنبھالیں ہم
لٹا دیں جاں پہ غم سارے کہ پس انداز کر ڈالیں

مقصود احمد منیب

یہاں پر دُکھ نہیں تھے غم نہیں تھے
کہ جب تک تم یہاں تھے ہم نہیں تھے
مرے دشمن مرے دشمن نہیں تھے
مرے ہمدم مرے ہمدم نہیں تھے
یہ مانا زخم ہم نے خود لگائے
تمہارے پاس کیا مرہم نہیں تھے؟
کسی کی آنکھ کے تارے نہیں ہم
مگر ایسے بھی ہم ملزم نہیں تھے
ہمیں طرزِ تغافل مانتے ہیں
مگر مغرور تم بھی کم نہیں تھے
مجھے عرصے سے تم ٹھکرا چکے ہو
کہ میرے گھر مہ و انجم نہیں تھے
تمھیں مَیں قتل کرتے دیکھتا تھا
کہ دیپک آنکھ کے مدھم نہیں تھے
یہ کہہ لو ہم سے تم کو دشمنی ہے
یہ کیوں کہتے ہو ہم محرم نہیں تھے؟

آصف محمود ڈار

میں طوفانوں میں جینا چاہتا ہوں
صداقت کا سفینہ چاہتا ہوں
میں تنگ آیا ہوا ہوں نفرتوں سے
محبت کا مدینہ چاہتا ہوں
نظر آئے جسے تیرا ہی چہرہ
میں ایسی چشمِ بینا چاہتا ہوں
ہو جس میں رات دن تجھ سے ملاقات
کوئی ایسا مہینہ چاہتا ہوں
میں مرنا چاہتا ہوں تیری خاطر
تری خاطر ہی جینا چاہتا ہوں
رہا ہو جاؤں سفلی زندگی سے
میں زہرِ عشق پینا چاہتا ہوں
نہانا چاہتا ہوں آنسوؤں میں
ندامت کا پسینہ چاہتا ہوں
جو دھو ڈالے میرے سب داغ دھبے
میں وہ اشکِ شبینہ چاہتا ہوں
سیاست کے، عداوت کے، انا کے
میں سارے چاک سینا چاہتا ہوں
کوئی ساغر نہ مینا چاہتا ہوں
براہِ راست پینا چاہتا ہوں
جو اندر سے بھی اُتنی ہی حسین ہو
کوئی ایسی حسینہ چاہتا ہوں
شرابِ عشق سے پُر ہو جو آصفؔ
میں ایسا آبگینہ چاہتا ہوں

ڈاکٹر منور احمد کنڈے

راہ جینے کی عطا کرتی ہے دانائی مجھے
ورنہ کب کا ختم کر دیتی یہ تنہائی مجھے
ایک لمحے کی خوشی کو بھی ترستا ہے یہ دل
گردشِ حالات نے یہ بات سمجھائی مجھے
عکس یادوں کا تری طاری ہوا ہے ذہن پر
تیرگی میں بھی نظر آتی ہے پرچھائی مجھے
میں تبسم کے لئے اوروں کا کیوں محتاج ہوں
بات اتنی سی تھی لیکن اب سمجھ آئی مجھے
واسطہ خود سے کبھی کا ختم کر دیتا مگر
ڈھونڈنی تھی آخرش خود اپنی گہرائی مجھے
میں نے بھی اب اپنے زخموں کا مداوا کر لیا
اب بہت معصوم لگتی ہے یہ پروائی مجھے
دشمنوں سے جان کا خطرہ منوؔر تھا مگر
کر گیا ہے جاں بحق خود میرا ہی بھائی مجھے

عبدالسلام اسلام

رحمت تری کی دائمی تاثیر دیکھ کر
پُر حوصلہ ہوں اپنی ہر تقصیر دیکھ کر
ڈالیں گے میرے ذرّۂ دل پر کبھی نگہ!
آیا ہوں اُن کی آنکھ میں اکسیر دیکھ کر!
قسمت کا ہر ستارہ ہے اہلِ نظر کے پاس
ڈرتے نہیں وہ گردشِ تقدیر دیکھ کر
محبوب کے وجود میں اعجاز اگر نہیں ؟
کیوں گر گئے تھے طور پر تصویر دیکھ کر؟
ساقی شراب دوسرے بادہ کشوں کو دے!
میں مست تیری آنکھ کی تاثیر دیکھ کر!
رکھتے ہیں اختیار وہ تیغ اُن کے ہاتھ میں
عاشق نے سر جھکا دیا شمشیر دیکھ کر!
جلتے کہاں ''چتا'' میں ہیں عاشق مزاج لوگ
آتش بجھے ہے عشق کی تاثیر دیکھ کر
اشک چکیدہ لا جرم اسلامؔ کا کلام
ہر سنگدل گداز یہ تحریر دیکھ کر

امجد مرزا امجدؔ

شہر سُونا ہی کر گیا جیسے
کوئی لمبے سفر گیا جیسے
غم کا سایہ گزر گیا جیسے
بوجھ سر سے اُتر گیا جیسے
نذر جانِ عزیز یوں کر دی
دل ہی دنیا سے بھر گیا جیسے
یوں لگا اپنی داستاں لکھ کر
خامہ حد سے گزر گیا جیسے
اُن کو احساس ہو گیا میرا
اب مقدّر سنور گیا جیسے
یوں رکھا ہاتھ اُنھوں نے سینے پر
دل کا ناسُور بھر گیا جیسے
وہ جوانی کا جوش ، اے امجدؔ!
چڑھ کے دریا اُتر گیا جیسے

عبدالصمد قریشی

اپنی یادوں کے سہارے تو نہ چھین
مجھ سے میرے خواب سارے نہ چھین
ان سے روشن ہیں میرے دل کے دیئے
مجھ سے میرے چاند تارے نہ چھین
پیار کے گلشن کو ویراں تو نہ کر
لُٹ گئی خوشبو نظارے تو نہ چھین
مجھ کو یوں ساحل پہ رُسوا تو نہ کر
ڈوبنے دے پر کنارے تو نہ چھین
ساتھ رہنے دے دو یادوں کی مہک
میرے دل کے یہ سہارے تو نہ چھین

یومِ پاکستان
عبدالسلام اسلام

قوم کے دیرینہ خوابوں کی ہوئی تعبیر آج
جو تصور تھا کبھی اُس سے بنی تصویر آج
قائد اعظم نے بدلی قوم کی تقدیر آج
ہاں اسیروں کی کٹی تھی آہنی زنجیر آج
دل میں مرے اُٹھ رہا نغموں کا اک طوفان ہے
یومِ پاکستان ہے یہ یومِ پاکستان ہے

☆

بادۂ اُلفت سے جامِ دل تیرا لبریز ہو
اشک تیرے کا اثر ہر جا محبت خیز ہو
این و آں سے بالا بالا تو ترنم ریز ہو
عہدِ تجدیدِ عمل ہو جذبہ نوخیز ہو
جدّتوں سے آشنا ہونا تیری پہچان ہے
یومِ پاکستان ہے یہ یومِ پاکستان ہے

☆

اُٹھ اگر آزاد ہے پرواز لا محدود بن
عشق کے دریا میں کھو جا منزلِ مقصود بن
قوم کا تابندہ تارہ طالع مسعود بن
اپنے کردار و عمل سے صورتِ محمود بن
توڑنا اصنام دل کے عشق کی برہان ہے
یومِ پاکستان ہے یہ یومِ پاکستان ہے

رفیع رضا

دُکھ دے رہے ہو تُم جو محبّت کے باوجود
اچھّے لگو گے اس بُری حرکت کے باوجود
یہ عشق بھی عجیب ہے دیکھو تو چُھو کے جسم
مٹّی کو آگ لگ گئی، فطرت کے باوجود
میرا وُہ حوصلہ ہے کہ دینا میری مثال
تکتا تھا آسماں کو مصیبت کے باوجود
تُم سامنے تھے اور تُمھیں چُھو نہیں سکا
مُشکل میں پڑ گیا تھا سہولت کے باوجود
آنسو کو کیا خبر کہ زباں کہہ رہی تھی کیا
کیا اس نے کہہ دیا، مِری لُکنت کے باوجود
نُکتہ اٹھا رہا ہُوں، بڑے ہی وقار سے
سنجیدہ لگ رہا ہوں شرارت کے باوجود
اُس کو شبیہہ دینے کی کوشش میں ہُوں مگر
اپنا پتہ نہیں ہے، شباہت کے باوجود
اے ہجر تیرے سَر پہ جو رکھّا تو رکھ دیا
اب نا اُٹھے گا ہاتھ، کراہت کے باوجود
مَیں بھی لرز رہا ہُوں، کفِ کائنات پر
دل بھی دھڑکتا رہتا ہے دہشت کے باوجود
جبریلِ عہدِ نَو میرے دَر کا غُلام ہے
لاتا ہے شعر، ختمِ نبوّت کے باوجود
تُو جس کے پاس کُچھ نہیں، تُو اپنی فکر کر
مانا نہیں گیا مَیں، کرامت کے باوجود
لفظی مباشرت میں میاں! وُہ مزہ کہاں
تسکین معنوی نہیں شہوت کے باوجود

مخلص دوست کے اندر اتنا پیار چھپا ہوتا ہے جیسے ایک چھوٹے سے بیج کے اندر پورا درخت چھپا ہوتا ہے۔
(حضرت علیؑ)

اطہر حفیظ فراز

صبر اتنا بھی طول پکڑے گا
اے زمیں! دل ترا ہلا بھی نہیں
کیسے ظالم مزاج لوگ یہاں
ان کی قسمت میں زلزلہ بھی نہیں
یوں تو صادق امین بنتے ہیں
ان میں کوئی تو پارسا بھی نہیں
اولے برسیں، کوئی مری ہی پڑے
اور کوئی تو راستہ بھی نہیں
ان کے ٹکڑے اُڑا دے راہوں میں
اس سے اچھی تو اب دعا بھی نہیں
یا الٰہی!! تو دار دکھلا دے!!
اس سے بہتر تو فیصلہ بھی نہیں

سیدہ کوثر منور شرقپوری (نیلم)

نہ جانے کیا وہ اب کرنے لگا ہے
جو اپنے آپ سے ڈرنے لگا ہے
بہت خونیں ہے اب منظر شجر کا
پرندہ شاخ سے گرنے لگا ہے
اذانیں اور بھی اونچی لگاؤ
درندہ گاؤں میں پھرنے لگا ہے

شاکر حسین شاکر

میں تیرے لئے اک نظم لکھوں
اک نظم جو تیرا چہرہ ہو
اک نظم جو تیری خوشبو ہو
اک نظم جو میرا آنسو ہو
اک نظم کہ جس کے مصروں میں
ہو لمس بھی تیرے ہونٹوں کا
اک نظم کہ جس کے لفظوں میں
سانسوں کے مہک بھی شامل ہو
اک نظم جو تیری آنکھو میں
تصویر کرے میرا چہرہ
اک نظم جو تیرا لہجہ ہو
اک نظم جو تیر اسایہ ہو
اک نظم خزاں کے موسم میں
جھونکا بن جائے خوشبو کا
اک نظم کہانی بن جائے
اک نظم ہماری چاہت کی
انمول نشانی بن جائے

خالد ملک ساحل

تم رنگ برنگے کپڑوں میں، یوں عید منانے نکلے ہو
وہ حشر کا دن یہ دن تو نہیں جو حشر اُٹھانے نکلے ہو
ہم یوں بھی تیرے عاشق تھے، ہم یوں بھی تیرے عاشق
ہیں کب ہوش کا دعویٰ تھا ہم کو، جو ہوش اُڑانے نکلے ہو
یہ کھیل کرشمہ سازی کا بس ایک ادا کا حصہ ہے
تم اتنا کہو، اس عادت میں کس کس کو مٹانے نکلے ہو
غیروں سے بھلا کیوں عید ملیں، تم عید ملو تو عید کریں
یہ عید کے دن بھی عیدی میں تم اور ستانے نکلے ہو
الزام نہیں بدنام سہی پر تم بھی کہو ہاں دل سے کہو
پروانہ صفت ہم لوگوں کو تم بھی تو جلانے نکلے ہو

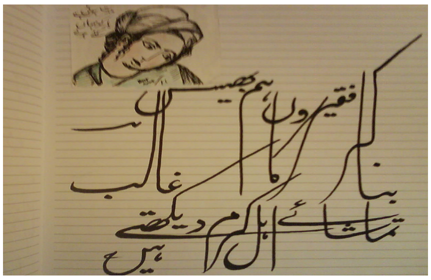

خالدؔ عرفان
یہ عید

وطن سے دُور، سمندر کے پار گزری ہے
ہماری عید، بہت سوگوار گزری ہے
نہ جانے کتنے پجاموں پہ بار گزری ہے
پہن کے جینز جو مِس گُل بہار گزری ہے
ہوئے ہیں جب سے وہ ''نااہل'' سب سے کہتے ہیں
وہ عید کیا جو، بغیر اقتدار گزری ہے
ہماری عید گزرتی نہیں مدد کے بغیر
سو ورلڈ بینک سے لے کے اُدھار گزری ہے
اُسی میں چیف منسٹر گئے ہیں مسجد کو
جو مرسڈیز کی لمبی قطار گزری ہے
وہ لات عید کے میلے میں جس کا ذکر نہ تھا
وہ لات اُن کو بہت ناگوار گزری ہے
وزیر اتنے بنے ہیں نئی حکومت میں
یہ عید قومی خزانے پہ بار گزری ہے
ہمارے ملک میں چونکہ ''انارکی'' ہے بہت
تمہاری یاد میں کھا کے انار گزری ہے
ہلالِ عید نے مفتی منیب سے یہ کہا
''تم آئے ہو نہ شبِ انتظار میں گزری ہے''

بشارت احمد بشارت

ترے نیناں جب سے پلانے لگے ہیں
مرے عشق کے ہوش جانے لگے ہیں
تری سانسیں لکھتی ہیں اک داستان
ترے ہونٹ نغمے سنانے لگے ہیں
تری زلف پیغام ہے رات کا
سپنے سہانے سے آنے لگے ہیں
نہ پہرے بٹھانا کبھی حسن پہ
ترے پاس آتے زمانے لگے ہیں
مری روح میں اترا ہے تُو اس طرح
کہ خود کو تجھی سے سجانے لگے ہیں

بینک تو سرکاری ہے
خالد عرفان

فنڈ پبلک کا، مگر بینک تو سرکاری ہے
صدقۂ فطر یتیموں پہ بھاری ہے
یہ حسب و نسب میں ہے تصادم کتنا
تو مہاجر ہے ترا باپ تو انصاری ہے
اُن نے ''یو ایس'' سے منگائی ہے سٹیزن بیوی
خطہ پاک پہ ڈالر کی شجر کاری ہے
خان پھر حلوۂ بادام پہ راغب ہے بہت
ایسا لگتا ہے نئے عقد کی تیاری ہے
اس سے بہتر ہے ٹھرّے کا سہارا لے لو
بنتِ انگور کی فطرت میں ریا کاری ہے
وارڈ میں جاتے ہی، اک نرس کا منہ توڑ دیا
اُس کا تو ہاتھ بھی، پاؤں کی طرح بھاری ہے
میر صورت' میری حالت' مرے کپڑوں پہ نہ جا
میں پھٹیچر ہوں، مرا شعر تو معیاری ہے
زیرِ لب دیکھا ہے ممنون کو باتیں کرتے
صدر گونگا نہیں گونگے کی اداکاری ہے
قیمتی شے پہ کمیشن بھی بڑا ہوتا ہے
مُلک کی سیل، جہازوں کی خریداری ہے
ایک بیوی سے گئے دوسری بیوی کی طرف
ناشتہ کرکے اُٹھے، لنچ کی تیاری ہے
جب چونی مجھے دینے کو نکالی اُس نے
ایسا لگتا تھا گریبان میں الماری ہے
مصرعۂ خالدِؔ عرفان کو شگوفہ نہ سمجھ
مسخرہ پن نہیں بیٹا! یہ قلم کاری ہے

عبدالجلیل عباد جرمنی

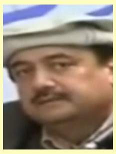

یہ دل مرا جو بہت بیقرار رہتا ہے
نہ جانے کس کا اسے انتظار رہتا ہے
وہ دور ہو کے بھی رہتا ہے ساتھ ساتھ میرے
میرے خیال کے رتھ پر سوار رہتا ہے
کہا تھا عشق نہ کرنا کسی سے دل میرے
جنوں میں خود پہ کہاں اختیار رہتا ہے
اُداسی جھیل سی آنکھوں سے جب ٹپکتی ہے
کنارے آب کوئی سوگوار رہتا ہے
یہ دل دھڑکتا ہے بس تیری چاپ کے صدقے
مریض شب کو ترا انتظار رہتا ہے
کبھی تو کھل کے برس جا میری زمینوں پر
کہ دشتِ ہجر میں ہر سُو غبار رہتا ہے
تو مجھ عباد کو اذنِ بیان عطا کردے
کہ بات کرنے کو دِل بیقرار رہتا ہے

بشارت احمد بشارت

دُشمن دی سرداری ویکھی
پھر اوہدی لاچاری ویکھی
جنھوں ملیا دیس نکالا
اوتھے گریہ زاری ویکھی
اساں تے سجدے سیس کٹائے
کابل دی سنگساری ویکھی
دن تے سال گواہ ساہڈے
جنہاں نے جی دار ویکھی

سوہنے یار دے قدماں دے وچ
شاہاں دی مختاری ویکھی

شوق انصاری

تجھ سے پہلے اس قدر ترسے نہیں تھے
ہم اکیلے تھے مگر اتنے نہیں تھے
کچھ تری سوچوں کا محور بھی الگ تھا
کچھ مرے حالات بھی اچھے نہیں تھے
ہم تو اپنوں کی رسائی سے مرے ہیں
ہاتھ دُشمن کے مگر لمبے نہیں تھے
ہم چلے آئے مثالِ آب ہٹ کر
ان پہاڑوں میں کہیں رستے نہیں تھے
یا مناظر میں کشش باقی نہیں تھی
یا نظر کے منتظر جلوے نہیں تھے
بخت کا ہے کھیل سارا شوق صاحب
وہ نہ تھا ہشیار ہم بچے نہیں تھے

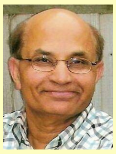

طاہر مجید جرمنی

پردہ کسی نے دُھول کا ایسے گرا دیا
حدِ نظر سمٹ گئی آنکھوں تک آ گئی
خونِ شفق کی بات چلی تھی جو صبح کو
وہ بات اتنی بڑھ گئی راتوں تک آ گئی
کیا جانے اُس نے کہہ دیا طاہر دمِ وداع
اک یادِ دل کو چھوڑ کے سانسوں تک آ گئی

طاہر بٹ امریکہ

یہ آسماں کا لکھا بھی کیسا عجیب تھا
تُو قُربِ یار میں تھا میں فرقت نصیب تھا

اتنا تو مہرباں تھا مجھ پر مرا خدا
وہ آنکھ سے تھا دور پہ دل کے قریب تھا
پردیس میں تھا، مفلسی تنہائی میں ملی
میں یوں بھی تھا غریب تو یوں بھی غریب تھا
خوش قسمتی تھی یہ میری کشکولِ سر مرا
تھا دار پہ کبھی،کبھی زیبِ صلیب تھا

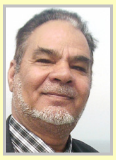

نعت - عاصی صحرائی

رَخشندہ ترے حُسن سے رُخسارِ یقیں ہے
تابندہ ترے نور سے ایماں کی جبیں ہے
ہاں عجز سے جھکتا ہے ترے در پہ ہی سورج
کیا معجزۂ شقِ قمر تیرا نہیں ہے
تو چاند تھا اور تھے اصحاب ستارے
سدرہ سے جو اُترا وہ ترا فرش نشیں ہے
چمکا ہے تری ذات سے دنیا کا مقدر
عاصی کو بھی بس تیری شفاعت کا یقیں ہے

ارشاد عرشی ملک

ہم اندھیروں میں تری یاد سے لَو لیتے ہیں
رات آتی ہے تو تکیے کو بھگو لیتے ہیں
ہم تو بکھرے ہیں پہ غم کو نہ بکھرنے دیں گے
اِک لڑی میں تری یادوں کو پرو لیتے ہیں
دن کو چہرے پہ سجاتے ہیں بشاشت رسمی
شب کی تنہائی میں جی کھول کے رو لیتے ہیں
سادگی کا یہ کرشمہ ہے کہ تنہائی کا
ہم جو ہمراہ ہر اک شخص کے ہو لیتے ہیں
آج کا کام مری جان نہ کل پر ٹالو
آج فرصت ہے چلو بیٹھ کے رو لیتے ہیں
کس کو فرصت ہے کہ رُک کر ہمیں دیکھے عرشی
ہم مسافر ہیں کہیں راہ میں سو لیتے ہیں

اسحاق ساجد (جرمنی)

وہی دل کی لگی ہے اور میں ہوں
عجب سی بے کلی ہے اور میں ہوں
تصور میں مرے تصویرِ جنت
وہی تیری گلی ہے اور میں ہوں
ترے انکار نے جو کی مسلط
وہی افسردگی ہے اور میں ہوں
جو کل تک تھی وہ ابتک بھی کسی کی
مسلسل بے رخی ہے اور میں ہوں
ہزاروں غم ہیں تیرا ہی نہیں غم
پریشاں زندگی ہے اور میں ہوں
غمِ لیلیٰ نے جو مجنوں کو بخشی
وہی دیوانگی ہے اور میں ہوں
مجھے ٹھکرا دیا اُس نے جو ساجدؔ
قیامت کی گھڑی ہے اور میں ہوں

عبدالجلیل عباد، ہیمبرگ

دُکھ تو سرمایہ ہمارا ہے تمہیں کیا دکھ ہے
تم نے تو ہم کو ستایا ہے تمہیں کیا دکھ ہے
ہم تو اس عہد کا غم دل پہ اٹھائے ہوئے ہیں
تم نے تو اس کو نچایا ہے تمہیں کیا دکھ ہے
تم تو آواز بھی سولی پہ چڑھا دیتے ہو
ہم نے تو رب کو پکارا ہے تمہیں کیا دکھ ہے
ہم تو خوشبو کے زمانے میں لگائیں پودے
تم نے تو باغ اجاڑا ہے تمہیں کیا دکھ ہے

تم نے تو ٹکڑوں میں ہی بانٹ دیا دھرتی کو
ہم نے تو اس کو ملایا ہے تمہیں کیا دکھ ہے
ہم محبت سے ہیں دل جیت رہے دنیا کے
تم نے نفرت کو ہی پھیلایا ہے تمہیں کیا دکھ ہے
خون میں ڈوب گیا دیس تمہارے ہاتھوں
زخمی زخمی ہی نظارا ہے تمہیں کیا دکھ ہے

خواجہ عبدالمومن، ناروے

یہ دنیا امتحاں ہی امتحاں ہے
کہیں خوشیاں کہیں آہ و فغاں ہے
کوئی ڈوبا ہے کرسی کے نشے میں
کہیں افلاس کا مارا جہاں ہے
کسی کو علم پر ہے ناز ہر دم
کوئی دولت پہ بیٹھا شادماں ہے
وطن کی شان نہ لڑ کر بگاڑو
ہمارا ملک تو جنت نشاں ہے
کرو توبہ خدا سے خیر مانگو
سکوں سب کا خدا کا آستاں ہے
دعا کرتے رہو مومن خدا سے
ہمارا تو خدا ہی پاسباں ہے

چودھری مسعود احمد جرمنی

جلوس رنگ بہاراں کی کوئی بات کرو
بہارِ کوچۂ جاناں کی کوئی بات کرو
تکلفاتِ خرد کا کسے دماغ ہے آج
طریقِ حلقہ رنداں کی کوئی بات کرو
سوالِ گردشِ ساغر اُٹھاؤ ساقی سے
جوابِ گردشِ دوراں کی کوئی بات کرو
غمِ حیات کے ان دھندلکوں کا ذکر ہی کیا
فروغِ شمعِ شبستاں کی کوئی بات کرو
حدیث ساغرِ گلفام کے بہانے سے
جمالِ عارضِ تاباں کی کوئی بات کرو
ردائے لالہ و گل ایک پات ہے جس کا
اس اپنی جانِ بہاراں کی کوئی بات کرو
ہم انقلاب زمانہ کی دسترس میں ہیں
خدا را صبحِ بہاراں کی کوئی بات کرو
ہوں جس میں بکھرے ہوئے قافلے بہاروں کے
نہ ایسے خوابِ پریشاں کی کوئی بات کرو
جھلس گیا ہے یہ سورج، پگھل گیا ہے یہ چاند
نگر نگر دلِ ویراں کی کوئی بات کرو
جہاں پہ جان کی بازی لگا رہے ہیں عوام
وہاں بھی خونِ شہیداں کی کوئی بات کرو
یہ کائنات بھی مسعودؔ حادثہ ہی تو ہے
تو حادثے میں بھی انساں کی کوئی بات کرو

آدم چغتائی برمنگھم

ہچکیوں کے قہقہے

جنوں کو کارگر ہو کر حوادث سے گزرنا ہے
ہمی وہ آبلہ پا ہیں جنہیں کانٹوں پہ چلنا ہے
شجر سے گرتے پتوں کو ہواؤں میں بکھرنا ہے
ذرا سی زندگانی میں مسلسل آہیں بھرنا ہے
دبے پاؤں خراماں ہے ابھی پازیب فتنوں کی
اسیرانِ وفا کو لا جرم پھانسی پہ چڑھنا ہے
ہمی پابند ہیں عادل کے ہر عدلِ تجاہل پر
ہمی پہ فتنوں کے تیروں نے بھی ہر بار چلنا ہے
سعادت احمدی جرنیلوں نے پائی ہے میداں میں
ہمی کو ہر محاذِ جنگ پر جینا بھی مرنا ہے
اَمَن ہی استعارہ ہے وطن کی سا لمیت کا
ہواؤں سے کہو پہلو بدل کر اُس پہ چلنا ہے
خلافت نے ہمیں سکھلائی ہے رسمِ وفاداری
ہر اک الزام دُشمن کا ہمی کو سر پہ لینا ہے
وہ جس نے زندگی بھر پیار ہی بس پیار بانٹا ہے
ہمی کو خامسِ دوراں کے حکموں پر ہی چلنا ہے
نکل کر میکدے سے جائیں تو جائیں کہاں آدمؔ
اُنہیں بھی اہتمامِ گردشِ ایام کرنا ہے

مبارک احمد ظفر

رَت جگا آج رات کرتے ہیں
آمشب اس سے بات کرتے ہیں
وہ جو تقدیر کو بدل ڈالے
ایسی اک واردات کرتے ہیں
اپنے ہم رُوح کے مسیحا کو
نذرِ دل، جاں سوغات کرتے ہیں
آب تلک ہم سے جو نہ بن پایا
وہ سپرد اس کے ھات کرتے ہیں
چُھو کے مردوں کو زندگی بخشیں
ایسے وہ معجزات کرتے ہیں
وہ تو چوروں، قطب ولی کردیں
یوں بھی وہ حادثات کرتے ہیں
وہ سکندر ہوا مقدر کا
ہم ظفرؔ پاک کے نصرتِ مولیٰ
ضربِ دُشمن کو مات کرتے ہیں

صابر ظفر

کہیں نہیں تھا وہ معلوم اور کہیں معلوم
یقین کیا تو ہوا اور بے یقیں معلوم

جو طائرانہ نظر اُس کی طرف اُٹھی تھی
تو ہو رہی تھی کوئی اور ہی زمیں معلوم
ہر ایک شاخ سے چمگادڑیں لپٹتی تھیں
شجر پہ کون سا آسیب تھا نہیں معلوم
ہر ایک سمت بسیرا تھا چیل کوّوں کا
اُجاڑ بستی میں سائے ہوئے مکیں معلوم
اندھیری شب میں جو اک حکمراں تھا اُلّو سا
وہ ہو رہا تھا اُجالے کا جانشیں معلوم

طاہر عدیم

وہ درد، وہ وفا، وہ محبت تمام شُد
لے! دل میں ترے قرب کی حسرت تمام شُد
یہ بعد میں کُھلے گا کہ کس کس کا خُون ہوا
ہر اِک بیاں ختم، عدالت تمام شُد
تُو اب تو دُشمنی کے بھی قابل نہیں رہا
اُٹھتی تھی جو کبھی وہ عداوت تمام شُد
اب ربط اک نیا مجھے آوارگی سے ہے
پابندیٔ خیال کی عادت تمام شُد
جائز تھی یا نہیں، ترے حق میں تھی مگر
کرتا تھا جو کبھی وہ وکالت تمام شُد
وہ روز روز مرنے کا قصہ ہوا تمام
وہ روز دِل کو چِیرتی وحشت تمام شُد
وہ میرے قُرب میں ہے بہت بے سکون سا
اس کے سکون کو ہے قرابت تمام شُد
اب آ کہ اپنا اثاثہ سمیٹ لیں
اب ہم پہ وقت کی ہے سخاوت تمام شُد
طاہؔر میں کُنجِ زیست میں چُپ ہوں پڑا ہوا
مجنوں سی وہ خصلت و حالت تمام شُد

جمیل الرحمن

کہاں دنیائے فانی میں رہوں گا
رہا تو لا مکانی میں رہوں گا
کسی بے خانماں لمحے کی خاطر
میں اپنی سر گرانی میں رہوں گا
یہ آنا بھی تو جانے کی طرح ہے
میں کب تک خوش گمانی میں رہوں گا
نہیں ہے فاختہ کوئی فضا میں
میں کس کی پاسبانی میں رہوں گا
رہے گا تاج میرے سر پہ لیکن
کسی کی راجدھانی میں رہوں گا
سمندر تیری آنکھوں سے بندھے ہیں
تری آنکھوں کے پانی میں رہوں گا
جمیل اُس میں گھڑی قتل ہو گی
شجر کی جس کہانی میں رہوں گا

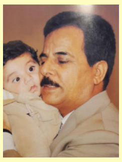

طفیل عامر سندھو

اِس راہ گزار حیات میں
سو بات ہو اِک بات میں
سب رنگ و بُو تیرے دَم سے ہے
کہاں پھول میں کہاں پات میں
کیا دُنیا بھر سے ہے بے خبر
دیا ہات جو میرے ہات میں
میرے پاس لے دے کے جان ہے
کروں نذر میں سوغات میں
یہ رات ہے ویسی ہی آج کی
وہ ملا تھا ایسی ہی رات میں
وہ کنکھیوں سے تیرا دیکھنا
اور بھیگنا برسات میں!
ہوں اگر میں عامؔر خستہ دل
میری جیت ہے اسی بات میں

گلزیب گلزیبا

نام بدنام یوں ہی ہمارا نہیں
جس کو چھوڑا ہے اس کو پکارا نہیں
دشمنوں کو یہ پیغام دے دیجئے
ٹوٹ جاؤں گی جھکنا گوارا نہیں
مجھ سے ہو کے خفا اب یہ کہتے ہیں وہ
روز محشر بھی ملنا گوارا نہیں
اب کڑی دھوپ ہو یا کہ بجلی گرے
سائباں جب میسّر تمہارا نہیں
ٹھوکریں کھا کے گلزیں جانا ہے یہ
خود سے بڑھ کر کوئی بھی سہارا نہیں

عذرا ناز

یوں تو ہوتے ہیں بہت ہاتھ ملانے والے
ان میں کتنے ہیں مگر ساتھ نبھانے والے
بانجھ ہو جاتی ہے پھر خوابوں کی سرسبز زمیں
توڑ دیں خواب اگر خواب دکھانے والے
ہیں زمانے میں محبت کے طلبگار بہت
کتنے ہوتے ہیں مگر اپنا بنانے والے؟
جا چکے ہیں جو بہت دور تری دنیا سے
لوٹ کر تیری طرف وہ نہیں آنے والے
تم انہیں اپنا سمجھنے کی نہ غلطی کرنا
غیر ہوتے ہیں ہر اک راز چھپانے والے
ہم ہمیشہ سے تو ایسے نہ تھے جیسے اب ہیں

ہم بھی ہوتے تھے کبھی ہنسنے ہنسانے والے
کس پہ کیا بیتی ہے احساس نہیں ہے ان کو
کتنے بے درد ہیں عذراؔ یہ زمانے والے

****

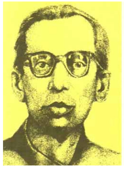

ایک عظیم نظم گو شاعر

مجید امجد

اردو کے معروف شاعر جناب مجید امجد 29 جون 1914ء کو جھنگ میں پیدا ہوئے تھے۔ پنجاب یونیورسٹی سے گریجویشن کرنے کے بعد صحافت کے شعبے سے وابستہ ہوئے۔ بعد ازاں سرکاری ملازمت اختیار کی اور محکمہ خوراک میں اسسٹنٹ فوڈ کنٹرولر کی حیثیت سے ساہیوال میں مقیم رہے۔ مجید امجد کا شمار اردو کے اہم نظم گو شعرا میں ہوتا ہے‘ ان کی شاعری میں موضوعات کا بڑا تنوع پایا جاتا ہے۔ پھر ان کا شاعرانہ لہجہ بھی بڑا منفرد ہے جو ان کی شاعری میں بڑا حسن پیدا کرتا ہے۔ مجید امجد کا شمار اقبال کے بعد والی نسل میں فیض احمد فیض‘ میرا جی اور ن م راشد کے پائے کے شعرا میں ہوتا ہے۔

مجید امجد کی شاعری کے کئی مجموعے شائع ہوئے جن میں شب رفتہ‘ شب رفتہ کے بعد‘ چراغ طاق جہاں‘ طاق ابد اور مرے خدا مرے دل کے نام، سرفہرست ہیں۔ مجید امجد نے 11 مئی 1974ء کو وفات پائی۔

......روش روش پہ ہیں نکہت فشاں گلاب کے پھول
حسیں گلاب کے پھول، ارغواں گُلاب کے پھول
اُفق اُفق پہ زمانوں کی دُھند سے اُبھرے
طیور، نغمے، ندی، تتلیاں، گلاب کے پھول
کس انہماک سے بیٹھی کشید کرتی ہے
عروسِ گُل بہ قبائے جہاں، گلاب کے پھول
جہانِ گریہ شبنم سے کس غرور کے ساتھ
گزر رہے ہیں، تبسّم کناں، گلاب کے پھول
یہ میرا دامنِ صد چاک، یہ ردائے بہار
یہاں شراب کے چھینٹے، وہاں گلاب کے پھول
کسی کا پھول سا چہرہ اور اس پہ رنگ افروز
گندھے ہوئے بہ خمِ گیسواں، گلاب کے پھول
خیالِ یار، ترے سلسلے نشوں کی رُتیں
جمالِ یار، تری جھلکیاں گلاب کے پھول
مری نگاہ میں دورِ زماں کی ہر کروٹ
لہو کی لہر، دِلوں کا دھواں، گلاب کے پھول
سلگتے جاتے ہیں چُپ چاپ ہنستے جاتے ہیں
مثالِ چہرہِ پیغمبراں گلاب کے پھول
یہ کیا طلسم ہے یہ کس کی یاسمیں باہیں
چھڑک گئی ہیں جہاں در جہاں گلاب کے پھول
کٹی ہے عمر بہاروں کے سوگ میں امجدؔ
مری لحد پہ کھلیں جاوداں گلاب کے پھول

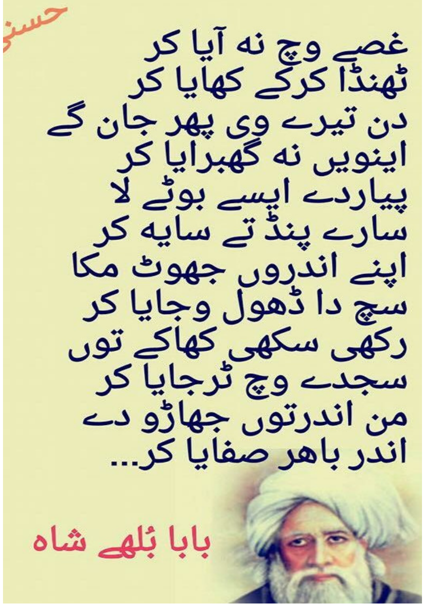

انجام۔ ثاقب زیروی

فرصت ہے کسے جو سوچ سکے پس منظر ان افسانوں کا
کیوں خوابِ طرب سب خاک ہوئے کیوں خون ہوا ارمانوں کا
تاریخ کے سینے میں اب تک ہیں دفن وہ سارے ہنگامے
انسان کے ہاتھوں دنیا میں کیا حال ہوا انسانوں کا
طاقت کے نشے میں چور تھے جو ، توفیقِ نظر جن کو نہ ملی
مفہوم نہ سمجھے وہ ناداں قدرت کے لکھے فرمانوں کا
پستے ہیں بالآخر وہ اک دن اپنے ہی ستم کی چکّی میں
انجام یہی ہوتا آیا ، فرعونوں کا ہامانوں کا
کم مایہ ہیں پرقُدرت نے احساس کی دولت بخشی ہے
ہر آنکھ سے آنسو پونچھیں گے دُکھ بانٹیں گے انسانوں کا
جب زخم لگے تو چہروں پر پھولوں کا تبسم لہرائے
فرزانوں کا یہ ظرف کہاں یہ حوصلہ ہے دیوانوں کا
اے صبرورضا کے متوالو ، اُٹھو تو سہی ، دیکھو تو سہی
طوفانوں کے مالک نے آخر رُخ پھیر دیا طوفانوں کا
جھنکار پہ سونے چاندی کی ہوتا ہے ضمیروں کا سودا
اس دور خرابی میں یارو خطرہ ہے بہت ایمانوں کا
اب آئے جو یار کی محفل میں جاں رکھ کے ہتھیلی پر آئے
اس راہ پہ ہر سو پہرہ ہے ،کم فہموں کا ، نادانوں کا
ہم دینِ ہدیٰ کے پرچم کو اونچاہی اُڑاتے جائیں گے
جو طوفانوں کے پالے ہوں کیا خوف انہیں طوفانوں کا
آندھی کی طرح جو اُٹھے تھے اب گرد کی صورت بیٹھے ہیں
ہے میری نگاہوں میں ثاقبؔ انجام بلند ایوانوں کا

ہمارا ماضی

رجل خوشاب

تربیلا ڈیم کے سنگِ بنیاد کے موقع پر جنرل ایوب خان نے آپ کی کاوشوں کو سراہتے ہوئے کہا:

''پاکستان کی آنے والی نسلیں ایم۔ایم۔احمد کی مشکور ہوں گی''

نوٹ۔ یاد رہے (ایم ایم احمد) مرزا مظفر احمد 1960 کی دہائی میں پاکستان کے سیکرٹری خزانہ تھے۔ جس دور کو پاکستان کی ترقی کا سنہری ترین دور کہا جاتا ہے جس میں تربیلہ و منگلا ڈیم بنے۔ پاکستان نے جرمنی کو قرضہ دیا۔ دنیا کا سب سے بڑا نہری نظام بنایا گیا۔ اسلام آباد کی بنیاد رکھی گئی اور 1965 کی جنگ کے باوجود پاکستانی روپیہ مستحکم ترین سطح پہ قائم رہا۔ ایم ایم احمد صاحب احمدی فرقہ کے بانی مرزا غلام احمد کے پوتے بھی تھے۔ یہ تو ماضی ہے جن کو غدار کافر کہا گیا۔ اور ایک آج کے نام نہاد محب وطن مومنین ہیں۔ جنہوں نے ملک کی ہڈیاں تک کھا لیں۔ لیکن پھر بھی کسی نے اُف نہیں کیا۔ یہ ہے عقیدوں کی اندھی مار... آج کوک سٹوڈیو میں بلھے شاہ کی کافیوں کو مذہبی رنگ میں پڑھنے والے، اسکو تقدیس سے بابا بلھے شاہ کہنے والے کیا جانتے ہیں کہ بلھے شاہ کو بھی کافر قرار دے کر اس وقت کے مولویوں نے اسکا جنازہ پڑھانے والے پر بھی فتوی باندھا کہ اسکا نکاح مسلمان عورت سے ختم ہو جائے گا، اور کنوارے کا مسلمان عورت سے شادی ممکن نہ ہوگی۔ اس وقت کی مسلمان آبادی نے احتجاج کیا کہ بلھے شاہ کو مسلمانوں کے قبرستان میں نا دفنایا جائے۔ غرض سید زاہد ہمدانی نے بلھے شاہ کا جنازہ پڑھایا، بھنگی، مست، کھسرے اس بڑے شاعر کا جنازہ اُٹھائے قصور شہر سے دو میل باہر جا کر دفن کر آئے۔

سر تے ٹوپی، تیری نیت کھوٹی،
کی لینا سر ٹوپی دھر کے،
تسبیح پھری پر دل نا پھریا
کی لینا ہتھ تسبیح پھڑ کے

بلھے شاہ کی گمنام قبر کے گرد شہر پھیلتا گیا، آج بابا بلھے شاہ کا قصور شہر کہلاتا ہے۔ وہ مولوی کون تھے جو اسکا جنازہ پڑھانے سے انکاری تھے۔ وہ چوہدری کون تھے جو اسکی لاش کو قبرستان میں دفن ہونے سے روکتے رہے۔ کوئی نہیں جانتا۔ لیکن بلھے شاہ آج بھی اپنی گمنام قبر سے بول رہا ہے، اور بولتا رہے گا کہ

بلھیا اسیں مرنا ناہی... گور پیا کوئی ہور

وہ سکاٹ لینڈ کا ایک غریب کسان تھا

کھیتوں کی طرف جاتے اس نے چیخنے کی آواز سنی۔ آواز کی سمت جا کر دیکھا کہ ایک بچہ دلدل کے ایک جوہڑ میں ڈوب رہا ہے. دلدل میں آپ جتنا زیادہ نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ زیادہ تیزی سے ڈوبتے ہیں۔ کسان نے اسے تسلی دی پر سکون کیا اور درخت کی ایک شاخ توڑ کر بچے سے کہا یہ پکڑ لو۔ میں تمہیں کھینچ لیتا ہوں. کچھ دیر بعد بچہ باہر تھا. کسان نے اسے کہا کہ چلو میرے گھر تمہارے کپڑے صاف کرا دیتا ہوں لیکن بچے نے کہا میرے والد پریشان ہوں گے اور دوڑ لگا دی۔ اگلی صبح ایک شاندار بگھی کسان کے گھر کے سامنے کھڑی ہوئی۔ ایک رعب دار شخصیت بگھی سے نکلی اور کسان کا شکریہ ادا کرنے کہ بعد کہا میں آپ کو کیا صلہ دوں کیونکہ آپ نے میرے بیٹے کی جان بچائی۔ غریب کسان نے کہا شکریہ جناب لیکن میری جگہ کوئی بھی ہوتا تو یہی کرتا. مجھے کسی صلے کی طلب نہیں۔ بہت اصرار کے بعد بھی جب کسان نے کچھ قبول نہ کیا تو جاتے جاتے اس رئیس کی نظر کسان کے بیٹے پر پڑھی۔ پوچھا کیا یہ آپکا بیٹا ہے۔؟؟ کسان نے محبت سے بیٹے کا سر سہلاتے کہا جی جناب یہ میرا بیٹا ہے۔ رئیس نے کہا ایک کام کرتے ہیں. میں اسے اپنے ساتھ لندن لے جاتا ہوں۔ اسے پڑھاتا ہوں۔ بیٹے کی محبت میں اس پیشکش پر کسان راضی ہو گیا. اسکا بیٹا لندن چلا گیا۔ پڑھنے لگا اور اتنا پڑھا کہ آج دنیا اسے الیگزینڈر فلیمنگ کے نام سے جانتی ہے۔

وہ فلیمنگ جس نے پنسلین ایجاد کی

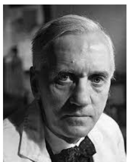

وہ پنسلین جس نے کروڑوں لوگوں کی زندگی بچائی۔ وہ رئیس جس کے بیٹے کو کسان نے دلدل سے نکالا تھا. وہی بیٹا جنگ عظیم

سے پہلے ایک بار پھر ہسپتال میں زندگی اور موت کی کشمکش میں تھا اور اسی فلیمنگ کی پنسلین سے اس کی زندگی بچائی گئی۔ وہ رئیس روڈولف چرچل تھے اور انکا بیٹا ونسٹن چرچل تھا۔ وہ چرچل جو جنگ عظیم میں برطانیہ کا وزیر اعظم تھا اور جس نے کہا تھا:'' بھلائی کا کام کریں کیونکہ بھلائی پلٹ کر آپ کے پاس ہی آتی ہے۔

ہم اتنا ڈرتے کیوں ہیں؟

نیا ڈنر سیٹ خریدا ہے تو کھانا پرانے میں کیوں کھایا جائے؟ نئے کپڑے سلوائے ہیں تو اُنہیں عام حالات میں بھی پہننے میں کیا مضائقہ ہے؟ گھر میں ڈیڑھ لٹر والے کولڈ ڈرنک کی خالی بوتلوں کے انبار لگتے جا رہے ہیں لیکن پھینکنے کا حوصلہ نہیں پڑ رہا۔ نیا بلب خرید لیا ہے تو پرانے کو سٹور میں کیوں سنبھال کے رکھ دیا ہے؟ نئی بیڈ شیٹ کیوں سوٹ کیس میں پڑی پڑی پرانی ہو جاتی ہے؟ جہیز میں ملی نئی رضائیاں کیوں بیس سال سے استعمال میں نہیں آئیں؟ باہر سے آیا ہوا لوشن کیوں پڑا پڑا ایکسپائر ہو گیا ہے؟؟؟

دل چاہیے...! نئی چیز استعمال کرنے کے لیے پہاڑ جتنا دل چاہیے' جو لوگ اس جھنجھٹ سے نکل جاتے ہیں ان کی زندگیوں میں عجیب طرح کی طمانیت آجاتی ہے۔ یہ شرٹ خریدیں تو اگلے دن پورے اہتمام سے پہن لیتے ہیں۔ یہ ہر اوریجنل چیز کو اُس کی اوریجنل شکل میں استعمال کرتے ہیں اور ہم جیسے دیکھنے والوں کو لگتا ہے جیسے یہ بہت امیر ہیں حالانکہ یہ سب چیزیں ہمارے پاس بھی ہوتی ہیں لیکن ہماری ازلی بزدلی ہمیں ان کے قریب بھی نہیں پھٹکنے دیتی۔ دن پہ دن گذرتے جاتے ہیں لیکن ہم نقل کی محبت میں اصل سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ کسی کے گھر سے کیک آجائے تو خود کھانے کی بجائے سوچنے لگتے ہیں کہ آگے کہاں دیا جا سکتا ہے۔ ہر وہ کیک جس پر لگی ٹیپ تھوڑی سی اکھڑی ہوئی ہو' اس بات کا ثبوت ہے کہ اہل خانہ نے ڈبہ کھول کر چیک کیا ہے اور پھر اپنے تئیں کمال مہارت سے اسے دوبارہ پہلے والی حالت میں جوڑنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ پتا نہیں کیوں ہم میں سے اکثر کو ایسا کیوں لگتا ہے کہ اچھی چیز ہمارے لیے نہیں ہو سکتی۔ اور تو اور ہم بچے سے جوان ہو گئے مگر اپنے ناپ کے کپڑے اور جوتے نصیب نہ ہوئے، جوتا احتیاطاً ایک دو نمبر بڑا لیا جاتا، لاکھ پہن کر رو کر بھی دکھایا کہ دیکھو اماں میری ایڑھی تو اس جوتے کی کمر تک جا رہی ہے مگر ایک ہی جواب کہ پاؤں بڑھ رہا ہے اگلے سال پورا ہو جائے گا اور قسم سے اگلا سال آیا بھی نہ ہوتا اور جوتا لیرو لیر ہو جاتا، کپڑے ہمیشہ ایک بالشت بڑے رکھوانے ہیں تا کہ اگلے سال چھوٹے بھائی کو بھی پورے ہو جائیں۔ ہم ساری زندگی اچھے لباس کے میلا ہونے کے ڈر سے جیتے ہیں اور پھر ایک دن دودھ کی طرح اجلا لباس پہن کر مٹی میں اتر جاتے ہیں۔''خوش رہیے اور خوشیاں بانٹیے''

دوستوں خوفناک حقائق آپ کی نظر کر رہا ہوں

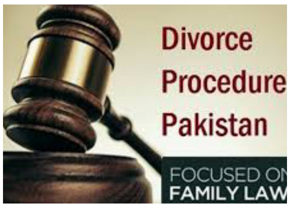

مسلمانوں میں طلاق اور خلع کے کیسیز میں اضافہ...!

آپ کراچی کی مثال لے لیں جہاں 2010 میں طلاق کے 40410 کیسز رجسٹرڈ ہوئے۔ 2015 میں صرف خلع کے 13433 سے زیادہ کیسز نمٹائے گئے۔ پنجاب میں 2012 میں 13299، 2013 میں 14243، 2014 میں 16942 جبکہ 2016 میں 18901 صرف خلع کے مقدمات کا فیصلہ دیا گیا۔ چیئرمین آربیٹریشن کونسل اسلام آباد کے مطابق صرف لاہور شہر میں 2017 میں خلع کے واقعات 18901 سے بڑھ کر 20000 تک پہنچ گئے۔ آپ کمال ملاحظہ کریں گجرانوالہ میں ماسٹرز کی طالبہ نے وین ڈرائیور کے ''چکر'' میں اپنے پڑھے لکھے، محبت کرنے والے شوہر سے طلاق لے لی۔ یہ میرے نہیں سیشن کورٹ گجرانوالہ کے الفاظ ہیں۔ آپ حیران ہونگے صرف گجرانوالہ شہر میں 2005 سے 2008 تک طلاق کے 75000 مقدمات درج ہوئے ہیں۔ ''دی نیوز'' کی رپورٹ کے مطابق محض 10 مہینوں میں 12913 خلع کے مقدمات تھے۔ صرف ستمبر کے مہینے میں گجرانوالہ شہر میں 2385 خلع کے

مقدمات آئے۔آپ ہماری جینے مرنے کی قسمیں کھانے والی نسل کی سچی محبت کا اندازہ اس بات سے کریں کہ 2017 میں 5000 خلع کے کیسز آئے جن میں سے 3000 ''لو میرجز'' تھیں۔ پاکستان کے دوسرے بڑے اور پڑھے لکھے شہر میں روزانہ اوسط 150 طلاقیں رجسٹرڈ ہوتی ہیں۔ یہ تو دیگ کا صرف ایک دانہ ہے۔عرب ممالک میں طلاق وخلع کا اوسط تو کئی یورپی ممالک سے بھی گیا گزرا ہے۔اس سے انکار نہیں ہے کہ ان میں سے بہت سارے واقعات میں عام طور پر سسرال والوں کا لڑکی سے رویہ اور شوہر کا بیوی کو کوئی حیثیت نہ دینا بھی اصل وجوہات ہیں لیکن آپ کسی بھی دارالافتاء چلے جائیں ہفتے کی بنیاد پر سینکڑوں خطوط ہیں جو خواتین نہیں مرد حضرات لکھتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ ہماری بیوی کو کسی اور کے ساتھ ''محبت'' ہوگئی ہے۔ وہ مجھ سے طلاق مانگ رہی ہے۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے یا بچہ بھی ہے۔ بتائیں کیا کروں ایک دارالافتا میں ایک خط آیا جس میں شوہر نے لکھا تھا کہ ''رات آنکھ کھلی تو بیوی بستر پر نہیں تھی، بیڈروم سے باہر آیا تو صوفے پر لیٹی موبائل میں مصروف تھی۔ اب وہ مجھ سے طلاق مانگ رہی ہے اور ہمارا ایک بچہ بھی ہے''۔میں نے خود یہ واقعات سنے ہیں کہ شوہروں کے پیچھے عورتوں نے ان کی امانت میں خیانت کی ہے۔ نبی مہربان ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کو جائز کاموں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ طلاق ہے''۔ ''یہ قوم اسلام پر مرنے کے لیئے تیار ہے لیکن اسلام پر جینے کے لیئے تیار نہیں ہے''۔آپ قرآن کا مطالعہ کریں سورۃ البقرہ سے لے کر والناس تک چلے جائیں۔ آپ کو نماز، روزہ، حج، زکوۃ میں سے کسی ایک فرض کی تفصیلات نہیں ملیں گی۔

آپ کو یہ تک نظر نہیں آئیگا کہ نماز کا طریقہ کیا ہے؟ آپ کو ان عبادات کی تسبیحات تک نہیں پتہ چل پائینگی۔لیکن نکاح، طلاق، خلع، شادی، ازدواجی معاملات، میاں بیوی کے تعلقات، گھریلو ناچاقی، کم یا زیادہ اختلاف کی صورت میں کرنے کے کام۔آپ کو سارا کچھ اللہ تعالیٰ کی اس مقدس ترین کتاب میں مل جائیگا جس کو ہم اور آپ ''چوم چوم'' کر رکھتے ہیں۔آپ مان لیں کہ ہمارے معاشرے میں طلاق اور خلع کی سب سے بڑی وجہ عدم برداشت ہے۔ یاد رکھیں اچھا اور صحت مند گھرانہ کسی اچھے مرد سے نہیں بنتا بلکہ ایک اچھی عورت کی وجہ سے بنتا ہے۔حضرت عمرؓ نے فرمایا ''جب دین گھر کے مرد میں آتا ہے تو گویا گھر کی دہلیز تک آتا ہے لیکن اگر گھر کی عورت میں دین آتا ہے تو اس کی سات نسلوں تک دین جاتا ہے''۔قربانی، ایثار، احسان، درگذر، معافی، محبت اور عزت یہ اسلام اور قرآن کی ڈکشنری میں آتے ہیں۔ کمال تو یہ ہے کہ ان جوڑوں کی طلاق زیادہ جلدی ہوجاتی ہے جو ''جوائنٹ فیملی'' میں نہیں رہتے ہیں۔مصر میں عبدالفتاح سیسی جیسا حکمران تک طلاقوں سے پریشان ہے۔کیونکہ مصر میں 40 فیصد شادیاں اگلے پانچ سالوں میں طلاق کی نذر ہوجاتی ہیں۔ جنرل اتھارٹی برائے شماریات کی 2016 کی رپورٹ کے مطابق سعودی عرب میں ہر ایک گھنٹے میں پانچ طلاقیں ہوتی ہیں جبکہ عرب نیوز کے مطابق 2016 میں 157000 شادیوں میں سے 46000 کا انجام طلاق کی صورت میں ہوا ہے۔خواتین کی نہ ختم ہونے والی خواہشات نے بھی معاشرے کو جہنم میں تبدیل کیا ہے۔الیکٹرانک میڈیا نے گوٹھ گاؤں اور کچی بستیوں میں رہنے والی لڑکیوں تک کے دل میں ''شاہ رخ خان'' جیسا آئیڈیل پیدا کردیا ہے۔محبت کی شادیاں عام طور پر چند ''ڈیٹس''، کچھ فلموں اور تھوڑے بہت تحفے تحائف کا نتیجہ ہوتی ہیں۔لڑکیاں اور لڑکے سمجھتے ہیں کہ ہماری باقی زندگی بھی ویسے ہی گذرے گی جیسا فلموں میں دکھاتے ہیں، لیکن فلموں میں کبھی شادی کے بعد کی کہانی دکھائی ہی نہیں جاتی ہے۔اس سے فلم فلاپ ہونے کا ڈر ہوتا ہے۔گھریلو زندگی کی تباہی میں سب سے بڑا عنصر ناشکری بھی ہے۔کم ہو یا زیادہ، ملے یا نہ ملے یا کبھی کم ملے پھر بھی ہر حال میں اپنے شوہر کی شکرگزار رہیں۔سب سے بڑی تباہی اس واٹس ایپ اور فیس بک سوشل میڈیا نے مچائی ہے۔پہلے لڑکیاں غصے میں ہوتی تھیں یا ناراض ہوتی تھیں تو ان کے پاس اماں ابا اور دیگر لوگوں تک رسائی کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا تھا۔شوہر شام میں گھر آتا، بیوی کا ہاتھ تھام کر محبت کے چار جملے بولتا، کبھی آئسکریم کھلانے لے جاتا اور کبھی ٹہلنے کے بہانے کچھ دیر کا ساتھ مل جاتا اور اس طرح دن بھر کا غصہ اور شکایات رفع ہوجایا کرتی تھیں۔لیکن ابھی ادھر غصہ آیا نہیں اور ادھر واٹس ایپ پر سارے گھر والوں تک پہنچا نہیں۔ یہاں میڈم صاحبہ کا ''موڈ آف'' ہوا اور ادھر فیس بک پر اسٹیٹس اپ لوڈ ہوگیا۔اور اس کے بعد یہ سوشل میڈیا کا جادو وہ گل کھلاتا ہے کہ پورے کا پورا خاندان تباہ و برباد ہوجاتا ہے یا نتیجہ خودکشیوں کی صورت میں نکلتا ہے۔مائیں لڑکیوں کو سمجھائیں کہ خدارا! اپنے شوہر کا مقابلہ اپنے باپوں سے نہ کریں۔ہوسکتا ہے آپکا شوہر آپ کو وہ سب نہ دے سکے جو آپ کو باپ کے گھر میں میسر تھا۔لیکن یاد رکھیں آپ کے والد کی زندگی کے پچاس، ساٹھ سال اس دشت کی سیاحی میں گذر چکے ہیں اور آپ کے شوہر نے ابھی اس دشت میں قدم رکھا ہے۔

آپ کو سب ملے گا اور انشاء اللہ اپنی ماں سے زیادہ بہتر ملے گا اگر نہ بھی ملے تو بھی شکر گذاری کی عادت ڈالیں سکون اور اطمینان ضرور ملے گا۔ بیویاں شوہروں کی اور شوہر بیویوں کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر تعریف کرنا اور درگذر کرنا سیکھیں۔

زندگی میں معافی کو عادت بنالیں۔ خدا کے لئے باہر والوں سے زیادہ اپنے شوہر کے لئے تیار ہونے اور رہنے کی عادت ڈالیں۔ ساری دنیا کو دکھانے کے لیئے تو خوب ''میک اپ'' لیکن شوہر کے لیئے ''سر جھاڑ منہ پھاڑ'' ایسا نہ کریں۔ خدا کو بھی محبت کے اظہار کے لیئے پانچ دفعہ آپ کی توجہ درکار ہے۔ ہم تو پھر انسان ہیں جتنی دفعہ ممکن ہو محبت کا اظہار کریں کبھی تحفے تحائف دے کر بھی کیا کریں۔ قیامت کے دن میزان میں پہلی چیز جو تولی جائیگی وہ شوہر سے بیوی کا اور بیوی سے شوہر کا سلوک ہوگا۔ یاد رکھیں مرد کی گھر میں وہی حیثیت ہے جو سربراہ حکومت کی ریاست میں ہوتی ہے۔ اگر آپ ریاست کی بہتری کی بجائے ہر وقت سربراہ سے بغاوت پر آمادہ رہینگے تو ریاست کا قائم رہنا مشکل ہوجائیگا۔ جس کو اللہ نے جو عزت اور مقام دیا ہے اس کو وہی عزت اور مقام دینا سیکھیں چاہے آپ مرد ہیں یا عورت۔ ایک مثالی گھر ایک مثالی خاندان تشکیل دیتا ہے اور ایک مثالی خاندان سے ایک صحتمند معاشرہ وجود میں آتا ہے اور یہی اسلام کی منشاء ہے۔ کوشش کریں کہ آپ اپنی ذات میں مثالی بن جائیں گھر خود بخود مثالی بن جائیگا۔

ملک فوج نے نہیں بنایا، جسٹس قاضی فائز عیسیٰ

فیض آباد دھرنا از خود نوٹس کیس:

جسٹس مشیر عالم اور جسٹس قاضی فائز عیسیٰ پر مشتمل دو رکنی بنچ نے آئی ایس آئی کی رپورٹ اور کارکردگی پر ایک بار پھر عدم اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ جسٹس قاضی فائز نے کہا کہ سولہ فروری کے حکم نامے میں لکھا گیا تھا کہ اٹارنی جنرل کے مطابق آئی ایس آئی کی دھرنا قائدین کے بارے میں رپورٹ تسلی بخش نہیں، اس کے بعد کیا ہوا؟ ملک کیسے چلایا جا رہا ہے؟ براہ کرم خاموش رہنے کی بجائے جواب دیں، بولیں۔ میرے چچا نے تحریک پاکستان میں حصہ لیا، میرے باپ نے بھی، مجھے بتانے کی ضرورت نہیں، ہم نے پاکستان کس لیے بنایا تھا کہ خوف میں زندگی گزاریں؟ کچھ لوگ قانون سے بالاتر ہیں؟

جسٹس مشیر عالم نے پوچھا کہ اٹارنی جنرل نے رپورٹ دیکھی تھی یا نہیں؟ ڈپٹی اٹارنی جنرل سہیل محمود نے کہا کہ کرنل صاحب آئے ہیں۔ جسٹس قاضی فائز نے کہا کہ صاحب صاحب نہ کہیں، صرف کرنل کہہ دینا کافی ہے، ہم برطانوی غلامی کے دور میں نہیں رہ رہے۔ کیا پاکستان میں آئین ختم ہو گیا ہے؟ کیا ہوگیا ہے کراچی میں اونچے کھمبوں پر ان کے (دھرنا مولوی) کے بینرز لگے ہیں، کیا ریاست میں ایک خاص نکتہ نظر کو پروان چڑھایا جارہا ہے؟ ملک کو دنیا میں لافنگ اسٹاک (ہنسنے) بنا رہے ہیں۔ کیا اب یہاں ڈنڈا پاور کی حکمرانی ہوگی؟ جسٹس قاضی فائز عیسی نے پوچھا کہ آپ کو تنخواہ کون دے رہا ہے، ائی ایس ائی کو کون تنخواہ ادا کر رہا ہے۔ ڈپٹی اٹارنی نے جواب دیا کہ حکومت پاکستان۔ جسٹس قاضی نے کہا کہ پاکستان کے عوام۔ ہم سب کی تنخواہ ملک کے عوام کی جیبوں سے آتی ہے۔ کوئی خود کو قانون سے بالاتر نہ سمجھے، یہ ملک اشاروں پر نہیں چلے گا، ملک کو فوج نے نہیں بنایا۔ ہم ان کے بچے ہیں جنھوں نے یہ ملک بنایا، یہ قلم سے بنا، طاقت سے نہیں۔ اگر آئین نہیں پسند تو اسلام سے ہی محبت کرلیں جو کہتا ہے کہ کسی کے مال پر آنچ نہیں آنا چاہیے۔ بڑی بڑی تقریریں کرتے ہیں، غلیظ ترین گالیاں دیتے ہیں، ہم اور آپ عوام کے خادم ہیں، حکمران نہیں، جو شریف ہے وہ خاموش اور چپ چاپ، جو بدمعاش ہیں وہ آگے ہیں۔ آپ کس سے خوفزدہ ہیں، بولتے کیوں نہیں؟ جسٹس قاضی فائز نے پوچھا کہ کیا ہم ایک آزاد ملک نہیں، کسی شہری کی املاک پر آنچ نہیں آنی چاہیے، تاریخ پڑھیں پاکستان کس طرح بنایا گیا، قائداعظم کے ساتھ کوئی بریگیڈ نہیں تھی، اب ہم بول بھی نہیں سکتے۔ سیکرٹری دفاع کہاں ہیں؟ وہ بہت بڑے آدمی ہیں عدالت کیوں آئیں گے۔ ججوں پر حملوں کی پاکستان میں آزادی ہے، جسٹس قاضی نے کہا کہ معزز چیف جسٹس کو گالیاں دی جاتی ہیں مگر کسی کو پرواہ نہیں۔ جسٹس قاضی فائز نے کہا کہ سیکورٹی اداروں کو دھرنے والوں کے پس منظر اور ذرائع آمدن کا پتہ نہیں۔ ڈپٹی اٹارنی جنرل نے کہا کہ آئی ایس ائی کی رپورٹ میں فنڈز کے بارے میں معلومات موجود ہیں۔ جسٹس قاضی نے پوچھا کہ کیا یہ لوگ ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ ڈپٹی اٹارنی جنرل نے کہا کہ ان لوگوں نے چندہ اکٹھا کیا، پینتیس ہزار لوگوں نے دھرنا

قائدین کو چندہ دیا۔جسٹس قاضی نے کہا کہ یہ کیوں فرض نہ کریں ہمارے دشمنوں نے یہ پیسہ دیا، ایسے لوگوں کو سوشل میڈیا ملا ہے اس میڈیا کو پیمرا چھو نہیں سکتا۔جو گاڑیاں جلائیں تشدد کریں، راستے بند کریں ان پر کوئی ہاتھ نہیں اُٹھاتا، ہم نے آئین کی بات اُٹھائی ہے، کیا زندگی اور آزادانہ نقل وحرکت آئینی حق نہیں ہے۔آئین پاکستان کی دھجیاں اُڑائیں، پولیس والے کی آنکھ نکال دی اس پر ہاتھ نہیں ڈالتے یا ڈال نہیں سکتے۔جسٹس قاضی فائز نے کہا کہ ہمیں صبح سے رات تک گالیاں پڑتی ہیں، غلیظ گالیاں اسی منہ سے نکل رہی ہیں جس سے رحمت اللعالمین کے عشق کا دعویٰ کرتے ہیں۔

ڈپٹی اٹارنی نے کہا کہ یہ اسلام نہیں ہے اسلام امن سے پھیلا ہے۔ جسٹس قاضی فائز نے کہا کہ یہ لوگ اسلام کے دشمن ہیں، اسلام کی ایسی تصویر پیش کرتے ہیں کہ لوگ اسلام سے نفرت کریں۔ان کا کوئی آیا ہے؟ عدالت کو بتایا گیا کہ دھرنے والوں کی طرف سے کوئی نہیں آیا تو جسٹس قاضی فائز نے کہا کہ ان کو بہتر میڈیا ملا ہوا ہے، ان کو کوئی چھو نہیں سکتا، ایجنسیوں کو نہیں معلوم دھرنے کے لیڈر ٹیکس دیتے ہیں یا نہیں، ایجنسیوں کو نہیں معلوم ان کے ذرائع آمدن کیا ہیں۔جسٹس مشیر عالم نے پوچھا کہ کیا دھرنے کے لیڈر کے فنڈز کا آڈٹ کرلیا گیا، کیا فنڈز کو ثابت کرنے کی دستاویز ہے۔وزارت دفاع کے نمائندے کرنل شفیق نے کہا کہ آئی ایس آئی ایک انٹیلیجنس ادارہ ہے، دھرنے کے لیڈر خطیب ہیں۔جسٹس قاضی فائز نے پوچھا کہ کیا یہ سرکاری خطیب ہیں، اس خطیب کو تنخواہ کون ادا کرتا ہے، کیا غیبی قوت معاوضہ ادا کرتی ہے، کیا دھرنے والے لیڈران کے اکاؤنٹس ہیں۔وزارت دفاع کے نمائندے کرنل شفیق نے کہا کہ ہوں گے۔جسٹس قاضی فائز نے پوچھا کہ بینک اکاؤنٹس ہوں گے سے کیا مراد ہے۔جسٹس قاضی نے کہا کہ کچھ لوگ سمجھتے ہیں وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں۔ پیمرا وکیل نے عدالت کو بتایا کہ نجی چینل 92 نے پیمرا کے کوڈ آف کنڈیکٹ کی خلاف ورزی کی۔جسٹس قاضی نے طنز کیا کہ پیمرا کی ہدایات کے بعد ٹی وی چینلز کے پاؤں کانپ رہے ہوں گے، پیمرا نے بڑا سیریس ایکشن لیا ہے۔وکیل نے بتایا کہ پیمرا نے ٹی وی چینلز کو تنبیہ کی ہے۔جسٹس قاضی فائز نے کہا کہ پیمرا نے اپنا منہ کالا کیوں کیا، پیمرا نے اتنی تکلیف کیوں کی۔جسٹس قاضی فائز نے کہا کہ یہ میرا دکھ نہیں میرے ملک کا دکھ ہے، سیکیورٹی ایجنسی اپنے ہونے کا جواز دے، ہوسکتا ہے یہ لوگ ملک کے دشمن ہوں، ریاست مظلوم کے ساتھ کھڑی ہوتی ہے ظالم کے ساتھ نہیں۔ طاقتور کو انصاف کی ضرورت نہیں ہوتی مظلوم کو انصاف کی ضرورت ہوتی ہے، کچھ چینل غائب ہوجاتے ہیں، کیا چیز نشر ہوگی کیا نشر نہیں ہوگی یہ کیا بات ہے، اگر کوئی ریاست مخالف نشریات کرے تو آئی ایس ائی کو پتہ نہیں۔جنگ گروپ سے منسلک صحافی رانا مسعود حسین نے بتایا کہ پراسرار ہاتھوں سے جیو نیوز چینل کو غائب کردیا جاتا ہے۔جسٹس قاضی نے کہا کہ مارشل لاء کے دور میں میڈیا کو آزادی نہیں ہوتی۔ میں بڑا ڈرپوک شخص ہوں۔ مجھے کرسی پر جس انصاف کے تقاضوں کے لئے بٹھایا ہے، وہ انصاف میں نہیں کرسکتا، کیوں نہیں کرسکتا کیوں کہ آپ کا تعاون نہیں ہے، کن علاقوں میں جیو کی نشریات بند ہیں، آئی ایس آئی سے سروے کروالیتے ہیں۔ڈپٹی اٹارنی نے کہا کہ میں آئی ایس آئی سے ہدایات لے لیتا ہوں۔جسٹس قاضی فائز نے کہا کہ ہدایات لینے سے آپ کی کیا مراد ہے، آپ ہدایات لیں گے یا انھیں دیں گے، کیا کینٹ ایریا پاکستان کا حصہ نہیں۔جسٹس قاضی فائز نے کہا کہ دھرنے والوں نے ملک کا کروڑوں کا نقصان کیا، ایسے لوگ ہمارے چھپتے ہیں۔جسٹس مشیر عالم نے پوچھا کہ پیمرا غیر فعال ہے تو اتھارٹی کو کون چلا رہا ہے۔جسٹس قاضی نے کہا کہ کیا پاکستان کو سیکورٹی ریاست بنانا چاہتے ہیں، کیا اپ ایسا پاکستان چاہتے ہیں، میں ایسا پاکستان نہیں چاہتا، میرے آباؤ اجداد نے پاکستان بنانے میں اپنا حصہ ڈالا، میرے آباؤ اجداد مسلم لیگ کا حصہ تھے۔کوئی چینل قانون کی خلاف ورزی کرے تو پیمرا میں شکایت کریں۔ہم ملک کے اندر موجود لوگوں سے خوفزدہ ہیں، ہم دشمن سے خوفزدہ نہیں ہیں۔جسٹس قاضی فائز نے کہا کہ ڈان ٹی وی چینل بھی کافی علاقوں میں بند ہے، ڈان کی بنیاد قائداعظم نے رکھی۔جسٹس قاضی فائز نے پوچھا کہ ملک کو کون چلا رہا ہے۔کیا ملک کو آزادی کے لئے حاصل کیا یا غلامی کے لئے؟ جن لوگوں نے پاکستان میں تباہی برپا کی ان کی کوریج اب بھی جاری ہے۔وزارت دفاع کے نمائندے کرنل شفیق نے کہا کہ کینٹ میں جیو اور ڈان ٹی وی کی نشریات چل رہی ہیں۔جسٹس قاضی فائز نے کہا کہ کیا ہم آپ کا بیان ریکارڈ کرلیں؟ کرنل شفیق نے کہا کہ عدالت میرا بیان ریکارڈ کرے۔ ***

حقائق - واحد اللہ جاوید

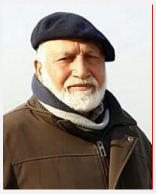

قوم نوح پر عذاب کب مقدر ہوا تھا؟ جب سرداران نے عوام الناس کو اس قدر گمراہ کر دیا کہ آنے والی نسل بھی انکی غلیظ سوچ کی غلام رہے۔ پاکستانی عوام کو بھی ایسی صورتحال کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ پاکستانی عوام کو بھیڑ بکریاں کہہ کر آپ بری الذمہ نہیں ہوسکیں گے۔ آنے والی تباہی کا ذکر جب بھی ہوگا اربابِ اختیار کے ساتھ ساتھ اشرافیہ بھی ذمہ داروں میں شمار ہوگی۔ کون نہیں یہ جانتا کہ جو اسلام پیش کرنے کی کوشش ہے اس کا میرے آقا حضرت محمد ﷺ سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ جن مقاصد کے لئے پاکستان بنا تھا وہ مسخ کر کے پسِ پشت ڈال دیئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بہت سارے احسانات میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ قیامت تک کیلئے لے رکھا ہے۔ فرید پراچہ صاحب نے ایک دفعہ ٹی وی پر ایک مجلس میں قرآن کی تحریف کرنیکی ناکام کوشش کی تھی۔ دو مختلف آیات کو ملا کر ایک آیت کا کہہ کر وقتی طور پر محفل میں جھوٹی داد حاصل کر لی تھی۔ اور اسلام کو دہشت گردی کا حامی ثابت کر دیا تھا۔ جب ایک ٹی وی چینل MTA نے انکی اسکی مذموم حرکت کو بے پردہ کر دیا تو موصوف تردید نہ کر سکے۔ الگ بات ہے کہ شرمندہ بھی نہ ہو سکے۔ بہرحال الحمدللہ قرآن اصل حالت میں محفوظ ہے۔

اسلام جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے سلامتی کا دین ہے۔ سلامتی کا پیغام ہے۔ سلامتی کا ضامن ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پوری قوم میں بھی رجل رشید نہیں رہا۔ لے دے کے چیف جسٹس ثاقب نثار پر نظر جا رہی ہے کیونکہ کٹاس مندر کی بے توقیری کا نوٹس آپ نے لیا تھا۔ اب انکی جرآت اور انصاف پسندی کا تقاضا ہے کہ سوؤ موٹو لیں۔ 23 اور 24 مئی کی درمیانی رات کو سیالکوٹ کا احمدیہ کمیونٹی کی نہ صرف مسجد کو منہدم کیا بلکہ احمدیوں کے مقدس ورثے کو بھی ضائع کرنے دیا گیا۔ یہ سب حکومت کی سرپرستی میں ہوا۔ اس طرح کی بے توقیری کی مثال مذہبی دنیا میں کم ہی ملتی ہے کہ حکومت کی حمایت حاصل رہے۔ رمضان ایسا مہینہ ہے جو قبل از اسلام بھی حرمت والا تھا۔ کافر بھی اسکو واجب الاحترام سمجھتے تھے۔ ایسے حالات میں جبکہ اسلام کو دہشت گرد مذہب ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، پاکستان کو دہشت گردوں کی آماجگاہ بتایا جاتا ہے۔ پاکستان پر پابندیاں لگانے کے بہانے تلاشے جا رہے ہیں۔ سیاسی طور پر پاکستان کو تنہا کیا جا رہا ہے۔ پاکستان کو ناکام ریاست قرار دینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ایسے حالات میں ایسی مذموم حرکتیں کوئی مسلمان تو درکنار کوئی پاکستانی بلکہ ایک انسان بھی نہیں سوسکتا۔ میں حق بجانب ہوں کہ چیف جسٹس کی طرف توجہ مرکوز کر دوں۔ اب ان کا سوؤ موٹو کیا کرے گا؟ انصاف کا ترازو سیدھا رکھیں گے یا مصلحت پوشی خاموش رکھے گی۔ قارئین کرام! اگر آج ہم چیف جسٹس صاحب کو بھی بے بس دیکھ لیں تو پھر ہماری حالت قومِ نوح سے مختلف نہیں ہے۔ اپنے مضمون اس دکھ کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ ہم ایسے رسول ﷺ کو ماننے والے ہیں جو اپنے بہت بڑے دشمن منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کے لئے صرف اس لئے ستر بار سے زائد بار معافی طلب کرتا ہے کہ اللہ نے حکم دیا تھا کہ تو اگر ستر بار بھی معافی مانگے میں نے اسکو معاف نہیں کرنا۔ اپنا کرتہ کفن کے طور پر دیتا ہے کہ شاید عذاب سے محفوظ ہوجائے۔ کوڑا ڈالنے والی عورت کی مزاج پرسی کو جاتا ہے اور اسکی زندگی کی دعا کرتا ہے۔ ایسے مردِ کامل کی محبت کے دعویدار کیسا اسلام دنیا میں پیش کر رہے ہیں۔

عامر لیاقت کا مقام

ضیاء اللہ محسن صاحب فرماتے ہیں کہ ڈاکٹر عامر لیاقت حسین کو ذلیل کرنے کے بجائے اس کی قدر کیا کریں۔ ہے کوئی اور جو ایک ہی وقت میں دانشور، باورچی، حکیم، وید، ڈاکٹر، فلمی پنڈت، عالمِ دین، نعت خواں، گلوکار، ڈانسر، سیاستدان، ماہرِ امور خارجہ و داخلہ، مدبر، مبصر، مفکر، مفتی، مکینک، مسخرہ، بھانڈ، میراثی، چپڑاسی، سنیاسی، ماہرِ کاشتکاری، ماہرِ جنگلات، ماہرِ موسمیات، ماہرِ نفسیات، سنگ تراش، نانبائی، حلوائی، اینٹ ساز، پتھر مار، بیلدار، جمعدار، معمار، ماہی گیر، اُٹھائی گیر، چڑی مار، چرم ساز، رفوگر ہو؟؟ تو کاری ہو یا کندلاکشی، اچار سازی ہو یا شیرینی سازی، مسلمان سازی ہو یا کافر کشی، آم خوری ہو یا جام نوشی، بھاڑ جھونکنا ہو یا منہ چڑائی۔ یہ تمام امور میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ بوٹ پالشی اور لوٹا گیری میں تو ان کا ثانی ہی کوئی نہیں۔ سو قدر کیا کریں۔

گوادر کی ہیرو۔ایک مادرمہربان

وقارالنساءنون
لالہ صحرائی

آج کون کون جانتا ہے کہ پاکستان کیلئے لازوال محبت و ایثار کا جذبہ رکھنے والی ایک عظیم خاتون نے اپنی مدمقابل چار عالمی طاقتوں سے ایک قانونی جنگ لڑکر 15 لاکھ ایکڑ سے زائد رقبے پر مشتمل گوادر جیسی اہم ترین کوسٹل اسٹیٹ پاکستان میں ضم کروائی تھی۔دو بلوچی الفاظ گوات بمعنی کھلی ہوا اور در بمعنی دروازہ کا مرکب جو عرف عام میں گوادر کہلاتا ہے یہ 1956 تک عالمی استعمار کے اس ناجائز قبضے میں تھا جس کی داستان احسان فراموشی اور عیاری کا ایک نادر نمونہ ہے۔گوادر اسٹیٹ اٹھارہویں صدی کے، خان آف قلات، میر نصیر نوری بلوچ کی ملکیت تھی لیکن اس علاقے پر اپنا تسلط قائم رکھنا خان صاحب کیلئے کافی مشکل ثابت ہو رہا تھا جس کی وجہ گچکی قبائل کی شورشیں تھیں کیونکہ ماضی میں وہ بھی اس علاقے کے حکمران رہ چکے تھے اور اسے واپس حاصل کرنا چاہتے تھے۔خان صاحب نے اس کا حل یہ نکالا کہ ایک معاہدے کے تحت اس علاقے کا کنٹرول ہی گچکی قوم کے ہاتھ میں دے دیا تاکہ اس علاقے میں امن قائم رہے، معاہدے کے تحت یہ طے پایا کہ یہ علاقہ خان آف قلات کی جاگیر میں ہی شامل رہے گا اور اس کا آدھا ریونیو بھی خان صاحب کو دیا جائے گا لیکن اس کا انتظام سارا گچکی قبائل کے ہاتھ میں رہے گا، یہ معاہدہ 1783 تک قائم رہا۔

1783 میں عمان کا حکمران اپنے بھائی سے شکست کھا کر دربدر ہوا تو اس نے خان آف قلات سے جائے پناہ کی درخواست کی، اس کی درخواست قبول کرتے ہوئے ایک نئے معاہدے کے تحت 2400 مربع میل پر پھیلا ہوا یہ اینکلیو سلطان آف عمان کو سونپ دیا گیا۔اس نئے معاہدے کی رو سے یہ طے پایا تھا کہ گوادر حسب دستور خان آف قلات کی جاگیر میں ہی شامل رہے گا اور اس کا کنٹرول بھی حسب سابق گچکی سرداروں کے پاس ہی رہے گا البتہ ریونیو کا وہ آدھا حصہ جو خان صاحب کو جاتا ہے وہ اب خیر سگالی کے طور پر سلطان آف عمان کو دیا جائے گا تاکہ وہ اپنی گزر اوقات بآسانی کر سکے تاہم جب سلطان کو اس جائے پناہ کی ضرورت نہ رہے تو اس کے تمام حقوق بھی حسب سابق خان آف قلات کے پاس واپس چلے جائیں گے۔قریباً پندرہ سال بعد عمان پر دوبارہ فتح پانے کے بعد سلطان اپنے پایہ تخت واپس لوٹ گیا

لیکن گوادر کو حسب معمول اس نے اپنے ہاتھ میں ہی رکھا، خان صاحب شائد اس دوران فوت ہوگئے تھے یا مروتاً قبضہ نہیں مانگا بہرحال تقریباً دس سال بعد جب سلطان کی وفات بھی ہوگئی تو خان صاحب کے ورثاء نے گوادر کی حوالگی کا مطالبہ کر دیا۔حکومت عمان کے انکار پر انہوں نے بزور قوت قبضہ کرلیا جسے سلطان کی سپاہ نے آکر چھڑا لیا، اگلے بیس سال میں یہ چشمک جب زیادہ بڑھ گئی تو اس قضیے کو نمٹانے کیلئے برٹش کالونیل ایڈمنسٹریشن نے ثالثی کے بہانے مداخلت کی لیکن انصاف کرنے کی بجائے اسوقت کے سلطان آف عمان سے اپنے لئے کچھ مراعات لیکر قلات خاندان کا دعویٰ یہ کہہ کر عارضی طور مسترد کر دیا کہ بعض دیگر گواہیاں بھی ان کے سامنے آرہی ہیں جن کے مطابق یہ علاقہ عرصہ دراز سے سلطنت آف عمان کی جاگیر ہے۔

بہرحال حتمی فیصلہ کسی کے حق میں بھی نہیں کیا۔اس خدمت کے عوض برطانوی پولیٹیکل ایجنٹ نے سلطنت عمان سے یہ ایگریمنٹ کیا کہ حتمی فیصلے تک گوادر کا انتظام برطانیہ کے پاس رہے گا اور حسب سابق عمان کو گوادر کا آدھا ریونیو ادا کیا جائے گا اور اپنی افواج گوادر میں داخل کردیا یوں تقریباً سوا سو سال تک برطانیہ اس علاقے پر قابض رہا۔قیام پاکستان کے بعد اس وقت کے خان آف قلات نے جب اپنی جاگیر پاکستان میں ضم کردی تو پاکستان نے اسٹیک ہولڈرز سے گوادر کا معاملہ اُٹھایا مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی، پھر جب ایک امریکی سروے کمپنی نے بتایا کہ گوادر کی بندرگاہ بڑے جہازوں کے لنگر انداز ہونے کیلئے بہت آئیڈیل ہے، علاوہ ازیں اس بندرگاہ سے سالانہ لاکھوں ٹن ایکسپورٹ ایبل سمندری خوراک بھی حاصل کی جاسکتی ہے جس میں 35 اقسام کی مچھلیاں پائی جاتی ہیں۔اس بات کی بھنک جب ایران کو پڑی تو

انہوں نے اسے چاہ بہار کیساتھ ملانے کا فیصلہ کرلیا، ایران میں ان دنوں شاہ ایران کا طوطی بولتا تھا اور سی۔آئی۔اے اس کی پشت پناہ تھی جو صدر نکسن کے ذریعے برطانیہ پر مسلسل دباؤ ڈالنے لگی کہ گوادر کو شاہ ایران کے حوالے کر دیا جائے۔1956 میں ملک فیروز خان نون نے جب وزارت خارجہ سنبھالی تو ہر قیمت پر گوادر کو واگزار کرانے کا عہد کیا اور باریک بینی سے تمام تاریخی حقائق و کاغذات کا جائزہ لیکر یہ مشن محترمہ وقار النساء نون کو سونپ دیا۔ان نازک حالات میں یہ پیکرِ اخلاص خاتون ایک چیمپئین کی طرح سامنے آئیں اور برطانیہ میں پاکستان کی لابنگ شروع کی، انہوں نے بھرپور ہوم ورک کر کے یہ کیس برطانیہ کے سامنے رکھا تاکہ ہاؤس آف لارڈز سے منظوری لیکر گوادر کا قبضہ واپس لیا جائے کیونکہ قلات خاندان کی جاگیر اب پاکستان کی ملکیت تھی لہذا ان کی جاگیر کے اس حصے کی وراثت پر بھی اب پاکستان کا حق تسلیم ہونا چاہئے نیز یہ کہ پاکستان وہ تمام جاگیریں منسوخ کر چکا ہے جو ریوینیو شیئرنگ یا معاوضے کی بنیاد پر حکومت برطانیہ نے بانٹیں تھیں، نیز یہ کہ اگر ہم اپنے قانون سے گوادر کی جاگیر منسوخ کر کے فوج کشی سے واگزار کرا لیں تو کامن ویلتھ کا ممبر ہونے کی وجہ سے برطانیہ ہمارے اوپر حملہ بھی نہیں کر سکتا۔محترمہ نے دوسال پر محیط یہ جنگ تلوار کی بجائے محض قلم، دلائل، اور گفت و شنید سے جیتی، جس میں برطانیہ کے وزیر اعظم میکملن جو ملک صاحب کے دوست تھے انہوں نے کلیدی رول ادا کیا، عمان کے سلطان سعید بن تیمور نے حامی تو بھرلی مگر سودے بازی کا عندیہ دیا۔

ملک صاحب جب وزیر اعظم بنے تو انہوں نے گوادر کے معاملے میں ''ابھی نہیں یا کبھی نہیں'' کا نعرہ لگایا، چھ ماہ کے اعصاب شکن مذاکرات کے بعد عمان نے تین ملین ڈالر کے عوض گوادر کا قبضہ پاکستان کے حوالے کرنے پر رضامندی ظاہر کردی، اس رقم کا بڑا حصہ پرنس کریم آغا خان نے بطور ڈونیشن دیا اور باقی رقم حکومت پاکستان نے ادا کی، بعض جگہ یہ ہے کہ ساری رقم ہی ہز ہائینیس پرنس کریم آغا خان نے ہی ادا کی تھی۔اس سلسلے میں ملک صاحب اپنی خودنوشت سوانح حیات'' چشم دید'' میں لکھتے ہیں کہ جہاں ملک کی حفاظت اور وقار کا مسئلہ درپیش ہو وہاں قیمت نہیں دیکھی جاتی، ویسے بھی یہ رقم گوادر کی آمدنی سے محض چند سال میں ریکوور ہو جائے گی، آج جب برطانیہ میں پاکستان کے ہائی کمشنر اکرام اللہ نے گوادر منتقلی کی دستخط شدہ دستاویز میرے حوالے کی تو اس وقت مجھے جو خوشی ہوئی آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے، اسلئے کہ گوادر جب تک ایک غیر ملک کے ہاتھ میں تھا تب مجھے یوں محسوس ہوتا تھا گویا ہم ایک ایسے مکان میں رہتے ہیں جس کا عقبی کمرہ کسی اجنبی کے تصرف میں ہے اور یہ اجنبی کسی وقت بھی اسے ایک پاکستان دشمن کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے اور وہ دشمن بھی اس سودے کے عوض بڑی سے بڑی رقم ادا کر سکتا ہے۔یوں دوسال کی بھرپور جنگ کے بعد 8 ستمبر 1958 کو گوادر کا 2400 مربع میل یا 15 لاکھ ایکڑ سے زائد رقبہ پاکستان کی ملکیت میں شامل ہو گیا۔سن 2002 میں جنرل مشرف نے گوادر پورٹ تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا جو مختلف مراحل سے گزرتا ہوا اب سی۔پیک کی شکل اختیار کر چکا ہے اور بلاشبہ پاکستان کیلئے ایک روشن مستقبل کی نوید ہے۔آج ہر کوئی گوادر پورٹ اور سی۔پیک کا کریڈٹ تو لینا چاہتا ہے مگر اس عظیم محسن پاکستان کا نام کوئی نہیں جانتا جس نے دنیا کے چار طاقتور اسٹیک ہولڈرز، برطانوی پارلیمنٹ، سی۔آئی۔اے، ایران اور عمان سے چوکھی جنگ لڑ کے کھویا ہوا گوادر واپس پاکستان کی جھولی میں ڈال دیا۔مطالعہ پاکستان سے چڑنے والے لوگ پاکستان کے خلاف پیش گوئیاں کرنیوالے بابوؤں کو صرف اسی لئے پروموٹ کرتے ہیں کہ تعمیر پاکستان کو اپنا ایمان بنا کر انمٹ نقوش چھوڑ جانے والی تحریک پاکستان کی ان بیمثال ہستیوں سے نئی نسل کہیں متاثر نہ ہونے لگے، یہ وہ خوفناک مطالعہ پاکستان ہے جس سے کچھ لوگوں کو پسینے آجاتے ہیں۔ایک اور اعلیٰ ظرفی دیکھئے کہ اس ملک میں جہاں ایک نلکا لگا کر بھی اس کا ڈھول پوری قوم کے آگے پیٹا جاتا ہے وہاں ان اعلیٰ ظرف ہستیوں نے اپنی اس بیمثال کامیابی کا ملک گیر جشن محض اسلئے نہیں منایا کہ سلطان آف عمان کی عزت نفس مجروح نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ قوم آج اس نابغہ روزگار کپل کو جانتے ہیں نہ ان کے اس عظیم کارنامے سے واقف ہیں۔

گوادر فتح کرنیوالی ملک وقوم کی یہ محسن محترمہ وقار النساء نون ہیں جو پاکستان کے ساتویں وزیر اعظم ملک فیروخان نون کی دوسری بیوی ہیں جن کی اس عظیم کاوش کا اعتراف نہ کرنا احسان فراموشی اور انہیں قوم سے متعارف نہ کرانا ایک بے حسی کے سوا کچھ نہیں۔محترمہ کا سابقہ نام وکٹوریہ ریکھی تھا، آسٹریا میں پیدا ہوئیں، تعلیم و تربیت برطانیہ میں ہوئی، ملک فیروز خان نون جب برطانیہ میں حکومت ہند کے ہائی کمشنر تھے تب ان سے ملاقات ہوئی، ملک صاحب کی دعوت پر حلقہ بگوش اسلام ہو کر بمبئی میں ان کیساتھ شادی کی اور اپنا نام وکٹوریہ سے وقار النساء نون رکھ لیا، پیار سے انہیں وکی نون بھی کہا

جاتا ہے۔محترمہ نے تحریک پاکستان کو اجاگر کرنے کیلئے خواتین کے کئی دستے مرتب کئے اور سول نافرمانی کی تحریک میں انگریز کی خضر حیات کابینہ کیخلاف احتجاجی مظاہرے اور جلوس منظم کرنے کی پاداش میں تین بار گرفتار بھی ہوئیں۔قیام پاکستان کے بعد انہوں نے لٹے پٹے مہاجرین کی دیکھ بھال کیلئے بڑا متحرک کردار ادا کیا، خواتین ویلفئر کی اوّلین تنظیم اپوا کی بانی ممبران میں بھی آپ شامل ہیں، وقارالنساء گرلز کالج راولپنڈی اور وقارالنساء اسکول ڈھاکہ کی بنیاد بھی انہوں نے رکھی، ہلال احمر کیلئے گرانقدر خدمات انجام دیں، ضیاءالحق کے دور میں، بطور منسٹر، ٹورازم کے فروغ کیلئے دنیا بھر کو پاکستان کی طرف بخوبی راغب کیا، پاکستان ٹورازم ڈویلپمنٹ کارپوریشن انہی کی ایک نشانی ہے۔پاکستان کی محبت میں ان کا جذبہ بڑھاپے میں بھی سرد نہ پڑا، برطانیہ میں مقیم ان کی بے اولاد بہن کی جائیداد جب انہیں منتقل ہوئی تو اس فنڈ سے انہوں نے ”وکی نون ایجوکیشن فاؤنڈیشن“ قائم کیا جو آج بھی سماجی خدمات کا چراغ جلائے ہوئے ہے۔

محترمہ کی وصیت کے مطابق اس فنڈ کا ایک حصہ ان نادار مگر ذہین طلبہ کو آکسفورڈ جیسے اداروں سے تعلیم دلوانے پر خرچ ہوتا ہے جو واپس آکر اس مملکت کی خدمت کرنے پر راضی ہوں۔محترمہ وقارالنساء نون طویل علالت کے بعد 16 جنوری سن 2000ء میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں، ایک عمرہ کرنے کے بعد انہوں نے وصیت کی تھی کہ مجھے غیر سمجھ کے چھوڑ نہ دینا بلکہ میری تدفین بھی ایک کلمہ گو مسلمان کی طرح انجام دینا۔محترمہ کی اپنی کوئی اولاد نہ تھی، ان کی حقیقی اولاد وہ پاکستانی ہیں جو حب الوطنی میں ان کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں۔محترمہ کو گوادر فتح کرنے پر 1959 میں سرکار کا سب سے بڑا سول اعزاز نشان امتیاز عطا کیا گیا مگر ان کا اصل انعام وہ عزت واحترام ہے جو ہم بطور قوم انہیں دے سکتے ہیں۔آور بیکنز اور نوائے وقت کے ایک مضمون کے مطابق محترمہ وقارالنساء نون کے سوا کوئی پرائم منسٹر، کوئی صدر، کوئی جرنیل، کوئی وزیر، مشیر، سفیر ایسا نہیں جو گوادر فتح کرنے کا یہ عظیم کریڈٹ لے سکے۔سابق وفاقی سکریٹری اطلاعات رشید چودھری صاحب کہتے ہیں وہ ”مادر مہربان“ تھیں جو ہمارے ساتھ سگی ماں سے بھی بڑھ کر پیار کرتی تھیں انہوں نے گوادر ہمیں دلوایا، وہ گوادر جو آج ساری دنیا میں مرکزِ نگاہ ہے۔سلام محترمہ وقارالنساء نون، سلام اے مادرِ مہربان، خدا تیری لحد پر ہمیشہ شبنم افشانی کرے۔

***

احسان فراموش کا علاج

ایک شخص جنگل کے درمیان سے گزر رہا تھا کہ اس نے جھاڑیوں کے درمیان ایک سانپ پھنسا ہوا دیکھا، سانپ نے اس سے مدد کی اپیل کی تو اس نے ایک لکڑی کی مدد سے سانپ کو وہاں سے نکالا، باہر آتے ہی سانپ نے کہا کہ میں تمہیں ڈسوں گا۔اس شخص نے کہا کہ میں نے تمہارے ساتھ نیکی کی ہے تم میرے ساتھ بدی کرنا چاہتے ہو، سانپ نے کہا کہ ہاں نیکی کا جواب بدی ہی ہے، اس آدمی نے کہا کہ چلو کسی سے فیصلہ کرا لیتے ہیں، چلتے چلتے ایک گائے کے پاس پہنچے اور اس کو سارا واقعہ بیان کر کے فیصلہ پوچھا تو اس نے کہا کہ واقعی نیکی کا جواب بدی ہے کیونکہ جب میں جوان تھی اور دودھ دیتی تھی تو میرا مالک میرا خیال رکھتا تھا اور چارہ پانی وقت پہ دیتا تھا لیکن اب میں بوڑھی ہوگئی ہوں تو اس نے بھی خیال رکھنا چھوڑ دیا ہے۔

یہ سن کر سانپ نے کہا کہ اب تو میں ڈسوں گا اس آدمی نے کہا کہ ایک اور فیصلہ لے لیتے ہیں، سانپ مان گیا اور انہوں نے ایک گدھے سے فیصلہ کروایا، گدھے نے بھی یہی کہا کہ نیکی کا جواب بدی ہے، کیونکہ جب تک میرے اندر دم تھا میں اپنے مالک کے کام آتا رہا جونہی میں بوڑھا ہوا اس نے مجھے بھگا دیا۔

سانپ اس شخص کو ڈسنے ہی لگا تھا کہ اس نے منت کر کے کہا کہ ایک آخری موقع اور دو، سانپ کے حق میں دو فیصلے ہو چکے تھے اس لیے وہ آخری فیصلہ لینے پہ مان گیا، اب کی بار وہ دونوں ایک بندر کے پاس گئے اور اسے سارا واقعہ سنا کر کہا کہ فیصلہ کرو۔

اس نے آدمی سے کہا کہ مجھے ان جھاڑیوں کے پاس لے چلو، سانپ کو اندر پھینکو اور باہر پھر میرے سامنے باہر نکالو، اس کے بعد میں فیصلہ کروں گا۔

وہ تینوں واپس اسی جگہ گئے، آدمی نے سانپ کو جھاڑیوں کے اندر پھینک دیا اور پھر باہر نکالنے ہی لگا تھا کہ بندر نے منع کر دیا اور کہا کہ اس کے ساتھ نیکی مت کر، یہ نیکی کے قابل ہی نہیں۔وہ بندر پاکستانی عوام سے زیادہ عقل مند تھا، پاکستانیوں کو بار بار ایک ہی طرح کے سانپ مختلف ناموں اور طریقوں سے ڈستے ہیں لیکن ہمیں یہ خیال نہیں آتا کہ یہ سانپ ہیں ان کے ساتھ نیکی کرنا اپنے آپ کو مشکل میں ڈالنے کے برابر ہے....!! ذرا سوچو

***

نواز شریف ہندوؤں کے بھگوان ہو گئے

مستنصر حسین تارڑ

میں اپنے گزشتہ کالم ’’الحمرا کی کہانیاں اور اُندلس میں اجنبی‘‘ کے تسلسل میں گارسیالورکا کی شاعری کے حوالے سے کالم لکھ رہا تھا کہ اک سانحہ سا ہو گیا۔ ایک دھماکہ ہو گیا اور اس دھماکے نے پاکستان کی سلامتی اور عزت نفس کے درو دیوار ہلا کر رکھ دیئے۔ میں نے سوچا کہ اُندلس اور لورکا کی کہانی بعد میں بیان ہوتی رہے گی ذرا ادھر دھیان کر لوں کہ میرے بدن کے اندر بھی پاکستان کی جو ناقابل شکست فصیلیں ہیں۔ ان میں دراڑیں پڑتی محسوس ہونے لگی ہیں۔ میں عام طور پر سیاسی نوعیت کے کالم لکھنے سے اس لیے گریز کرتا ہوں کہ مجھے یقین ہے کہ میری حیات کا یہ مقصد تو نہیں ہو سکتا کہ میں زرداری‘ عمران خان یا نواز شریف کے ارشادات پر غور وفکر کروں۔ ان کی حمایت کروں یا ان کے پرخچے اُڑادوں۔ یقیناً میں اس لیے پیدا نہیں کیا گیا کہ ان حضرات کے بیانات کے کیچڑ میں لوٹنیاں لگاؤں۔ انہیں اپنے مشوروں سے نوازوں یا مطعون کروں۔ ہرگز نہیں کہ کم ازکم میری حیات کا مقصد اتنا عامیانہ نہیں ہو سکتا لیکن اگر ان میں سے کسی ایک حضرت کے بیان سے میرے وطن کی فصیلوں میں دراڑیں پڑتی ہیں اور ان دراڑوں میں سے دشمن کا مجھ پر ہنستا‘ میرا مذاق اُڑاتا چہرہ ظاہر ہونے لگتا ہے تو پھر میں برداشت نہیں کر سکتا۔

حضور ذرا ہندوستان کا میڈیا دیکھئے۔ بین الاقوامی ٹیلی ویژن چینلز پر ایک نظر کیجیے۔ وہاں جشن منائے جا رہے ہیں۔ ہندوستانی تو باقاعدہ لڈیاں ڈال رہے ہیں کہ ہم نہ کہتے تھے کہ ممبئی پر حملہ کرنے والے ڈیڑھ سو سے زائد معصوم لوگوں کو ہلاک کرنے والے پاکستان کی حکومت نے‘ وہاں کے دفاعی اداروں کی منصوبہ بندی سے بھیجے گئے تھے ہم کہتے تھے ناں کہ پاکستان دہشت گردی کا منبع ہے‘ اس کے دفاعی ادارے بھی ملوث ہیں تو دس برس سے انکار کرنے والے مان گئے ہیں ناں کہ ہاں یہ ہم تھے۔ ہم نے ڈیڑھ سو لوگوں کو ہلاک کرنے کی خاطر تاج محل ہوٹل اور اس کے گردو نواح کے علاقے کو نذر آتش کرنے کے لیے تباہ کرنے کے لیے یہاں سے لوگ بھیجے۔ معاونت کی اور اپنی عدالتوں میں ممبئی کے سانحے کی جو تحقیقات جاری تھی اسے اس کے انجام تک کیوں نہ پہنچایا۔

سب کچھ مان گئے ناں یہ انکار کرنے والے پاکستانی اور اقرار کس نے کیا؟ ایک دو نہیں پورے تین مرتبہ انتخاب کیے جانے والے پاکستان کے سابقہ وزیر اعظم نے۔ تو اسے ہندوستانیوں جشن مناؤ کہ آج ایک اور جنرل ٹائیگر نیازی نے تمہارے سامنے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ جس کا نام نواز شریف ہے اور یہ پوجنے کے لائق ہے ایک دیوتا ہے اس کے مجسمے اپنے مندروں اور گھروں میں سجاؤ اور روزانہ اس کے چرنوں میں سر رکھ کر اس نئے بھگوان کا شکریہ ادا کرو جس نے اپنے ملک کے کروڑوں لوگوں کو جھوٹا اور دہشت گرد ثابت کر دیا اور ہماری جے جے کار ہو گئی۔

نواز شریف کی جے ہو۔ واہ میاں صاحب واہ۔ آپ کا تخت چھن گیا تو آپ ’’مجھے کیوں نکالا‘‘ کی دوہائیاں دینے لگے۔ اگرچہ حکومت اب بھی آپ کی پارٹی کی تھی لیکن مسلسل رُندھی ہوئی آواز میں تقریریں کرتے جاتے تھے کہ ترقی رُک گئی ہے۔ ڈالر مہنگا ہو گیا ہے مرغیوں نے انڈے دینے بند کر دیئے ہیں۔ شتر مرغ انڈوں کی بجائے ایسے بچے دینے لگے ہیں جن کی شکلیں دیکھی ہوئی لگتی تھیں۔ زیبرے گدھے ہو گئے ہیں اور گدھے ڈھینچوں ڈھینچوں کرتے احتجاج کرتے ہیں کہ ہمیں کیوں نکالا۔ بھینسیں کھانگڑ ہو گئی ہیں اور گدھیاں دودھ دینے لگی ہیں۔ شیر نامرد ہو گئے ہیں اور گیدڑ راج کرنے لگے ہیں صرف اس لیے کہ مجھے نااہل قرار دیا گیا ہے۔ یقین کیجیے میاں صاحب۔ ہماری سیاسی تاریخ میں کسی سیاست دان نے عہدہ چھن جانے پر اتنی آہ وزاری نہیں کی۔ نہ ایوب خان نے۔ نہ بھٹو نے۔ اور نہ ہی گیلانی نے۔ سبھی رُخصت ہو گئے کہ ان میں عزت نفس تھی۔ بھٹو نے پھانسی کا پھندا قبول کر لیا پر اپنی عزت نفس پر آنچ نہ آنے دی کہ وہ تاریخ کے سامنے جوابدہ تھا۔ ویسے تو آپ کے رُوحانی والد صاحب اللہ کے فضل سے آسمانوں پر اُٹھے اور پھر اُٹھا ہی لیے گئے لیکن یقین کیجیے وہ جیسے بھی تھے ان میں بھی کچھ تو عزت نفس ہو گی۔ آپ میں کیوں نہیں ہے؟ آپ دوبارہ وزیر اعظم بننے کے لیے کیوں اتنے پست ہو گئے ہیں کہ بیس کروڑ پاکستانیوں کو بے عزت کر کے ہندوستانیوں کو بیچ ڈالا۔ الطاف حسین نے جب پاکستان مردہ باد کا نعرہ لگایا تو ہم نے اس کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی۔ اب آپ نے بھی تقریباً اسی نوعیت کا بیان دیا ہے تو اگر ہم آپ کے لئے وہ آخری کیل نہ تلاش کریں تو کیا کریں۔ ہمیں تو آپ نے

برباد کر کے رکھ دیا۔ بدنام کر دیا۔ امریکہ اور مغرب تو پہلے ہی کہتے تھے کہ پاکستان ایک دہشت گرد ریاست ہے آپ نے ان کے حق میں گواہی دے ڈالی۔ وہ جو مشہور مثال ہے' کہ نہ کھیلیں گے اور نہ کھیلنے دیں گے کیا آپ جانتے ہیں کہ اس کا پس منظر کیا ہے؟ دیہات میں یعنی پرانے زمانوں کے دیہات میں بچے کوڈیاں اور بنٹے یعنی کانچ کی گولیاں کھیلا کرتے تھے اور اس کھیل کے لیے کچی زمین میں ایک ''گُھتی'' کھودی جاتی تھیں۔

اردو میں ''گُھتی'' کا مترادف مجھے سوجھ نہیں رہا کہہ لیجیے کہ ایک مختصر گڑھا کھودا جاتا تھا اور کانچ کی گولیاں اس میں لڑھکائی جاتی تھیں اور کسی آپ جیسے بچے کو اس کھیل میں شریک نہیں کیا جاتا تھا تو وہ رات کے وقت چپکے سے اس ''کھتی'' کو سیراب کر دیتا تھا اور کہتا تھا' نہ کھیلیں گے نہ کھیلنے دیں گے تو میاں صاحب آپ نے بھی یہی سیرابی فرمائی کہ اگر میں نااہل ہو کر نہیں کھیلوں گا تو پوری پاکستانی قوم بھی نہیں کھیلے گی۔ ہم تو ڈوبے ہیں صنم' تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔ میرا چھوٹا بیٹا سُمیر تارڑ جو کسٹم کے محکمے میں ہے لاہور ایئر پورٹ اور واہگہ کا انچارج رہ چکا ہے۔ ہندوستانی کسٹم کے محکمے کی دعوت پر ممبئی گیا اور تاج محل ہوٹل میں قیام کیا۔ جہاں ہندوستانیوں نے ممبئی دہشت گردی کے حملے کے حوالے سے ایک یادگار قائم کی ہے جس پر ان ڈیڑھ سو لوگوں کے نام ثبت ہیں جو اس کارروائی کے دوران ہلاک ہوئے اور ان میں مسلمان بھی شامل ہیں۔ اور ان میں ایک نام کسی ذہین متین کا بھی ہے۔ ممبئی میں جو بھی غیر ملکی سربراہ آتے ہیں وہ سب اس یادگار پر پھول چڑھاتے ہیں اور ان میں صدر باراک اباما اور ان کی اہلیہ مشیل بھی شامل ہیں۔ تاج محل کے نواح میں ایک قدیم اور دنیا بھر میں پہچان رکھنے والا کیفے ہے جس کے ماتھے پر درج ہے''1871ء میں قائم شدہ' لیو پولڈ کیفے۔ اینڈ بار'' دہشت گردوں نے خصوصی طور پر اس کیفے میں موجود لوگوں کو ہلاک کیا اور ان میں زیادہ تر غیر ملکی تھے۔ اس کیفے کے شیشوں اور کھڑکیوں پر ان کی گولیوں کے نشان چٹخے ہوئے آج بھی محفوظ ہیں۔ آج تک تو ہندوستانی دعوے کرتے تھے کہ یہ ہلاکت کے کارندے پاکستان سے آئے تھے اور بہت سے لوگ یقین نہ کرتے تھے لیکن اب شکریہ اے جاتی عمرہ کے رہنے والے کہ تیرے اقرار کے بعد اور کون سا تیرے اقرار پر یقین نہ کرے گا اگر تو اقرار کرے تو بیس کروڑ پاکستانی انکار کریں تو بھی ہم پر کون یقین کرے گا۔ پہلے تو ہم بھی تیری بھولی شکل کو رنجیدہ اور آنسو بہاتے دیکھ کر یہ کہا کرتے تھے کہ اگر اسے دوبارہ تخت نہ ملا تو اس کا تختہ ہو جائے گا تو اس بے چارے کو پلیز دوبارہ وزیر اعظم بنا دو کہ کہیں یہ غریب بلکتا' فریادیں کرتا' مر نہ جائے لیکن اب جا کر احساس ہوا ہے کہ یہ وہ بھولا نہیں ہے۔ جیسے کسی محلے میں ایک خاتون بھولی نام کی تھی تو اس پر نظر بد رکھنے والے نے اسے ایک پیشکش کی تو وہ کہنے لگی ''میں اتنی بھولی بھی نہیں'' تو میاں صاحب بھی اب جا کر کھلا کہ اتنے بھولے نہیں ہیں۔ بہت سوچ سمجھ کر ملک کو بدنام اور بے توقیر کرنے کے لیے بقول کسے ہرزہ سرائی کرتے ہیں' جو کیا آئین کی رُو سے غداری نہیں ٹھہرتی۔ میاں صاحب کو روک لیجیے۔ ان سے کچھ بعید نہیں کہ اپنے اگلے انٹرویو میں وہ ہندوستان کو اپنے بھولپن میں آگاہ کر دیں کہ مودی بھیا میں آپ کو نقشہ بنا کر دیتا ہوں کہ ہمارے ایٹم بم کہاں کہاں پوشیدہ ہیں۔ بے شک یلغار کر دیجیے لیکن مجھے پھر سے وزیر اعظم کے رتبے پر فائز کر دیجیے۔ ورنہ میں ''کتھی'' کو سیراب کر دوں گا۔ ***

بانو قدسیہ

میں نے مرد کی بے بسی تب محسوس کی جب میرے والد کینسر سے جنگ لڑ رہے تھے اور انہیں صحت یاب ہونے سے زیادہ اس بات کی فکر لاحق تھی کہ جو کچھ انھوں نے اپنے بچوں کے لئے بچایا تھا وہ ان کی بیماری پر خرچ ہو رہا ہے اور ان کے بعد ہمارا کیا ہوگا؟

میں نے مرد کی قربانی تب دیکھی جب ایک بار بازار عید کی شاپنگ کرنے گئی اور ایک فیملی کو دیکھا جن کے ہاتھوں میں شاپنگ بیگز کا ڈھیر تھا اور بیوی شوہر سے کہہ رہی تھی کہ میری اور بچوں کی خریداری پوری ہوگئی آپ نے کرتا خرید لیا، آپ کوئی نئی چپل بھی خرید لیں، جس پر جواب آیا ضرورت ہی نہیں پچھلے سال والی کونسی روز پہنی ہے جو خراب ہوگئی ہوگی، تم دیکھ لو اور کیا لینا ہے بعد میں اکیلے آ کر اس رش میں کچھ نہیں لے پاؤ گی۔ ابھی میں ساتھ ہوں جو خریدنا ہے آج ہی خرید لو۔ میں نے مرد کا تحفظ تب دیکھا جب سڑک کراس کرتے وقت اس نے اپنے ساتھ چلنے والی فیملی کو اپنے پیچھے کرتے ہوئے خود کو ٹریفک کے سامنے رکھا۔ میں نے مرد کا ضبط تب دیکھا جب اس کی جوان بیٹی گھر اجڑنے پر واپس لوٹی تو اس نے غم کو چھپاتے ہوئے بیٹی کو سینے سے لگایا اور کہا کہ ابھی میں زندہ ہوں لیکن اس کی کھنچتی ہوئے کنپٹیاں اور سرخ ہوتی ہوئی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ ڈھیر تو وہ بھی ہو چکا، رونا تو وہ بھی چاہتا ہے لیکن یہ جملہ کہ مرد کبھی روتا نہیں ہے اسے رونے نہیں دیگا۔ ***

میں بھوکا ہوں...

چوہدری نعیم احمد باجوہ

ہم ابھی اس علاقے میں نئے تھے، مقامی زبان کی سمجھ بوجھ نہیں تھی۔ ایک دن دروازے پر دستک ہوئی ۔ دروازہ کھولا تو دیکھا دس بچوں کا ایک گروہ دروازے پر کھڑا تھا۔ وہ مقامی زبان بول رہے تھے۔ مجھے اُن کی زبان کا کوئی جُبہ لفظ سمجھ نہیں آرہا تھا۔لیکن جو حالت ان بچوں کی تھی اسکی ترجمانی کے لئے کسی زبان کی ضرورت نہیں تھی۔ زبان حال سے ہر بچہ کہہ رہا ہے کہ میں بھوکا ہوں۔ ساری کہانی ظاہر و باہر تھی بچے بھوکے تھے اور انہیں کھانا چاہئے تھا۔ معاشرے میں پھیلتی غربت، والدین کی آمدنی کم اور بچے زیادہ۔ سرکاری طور پر ایسے بچوں کا کوئی پرسان حال نہ ہونا، مجبوراً ان بچوں کو گلی کوچوں میں بھیک مانگنے پر لے آیا تھا۔ ان سب کی عمریں پانچ سے دس سال کے درمیان ہوں گی۔ فوری طور پر ان کو کچھ دیا۔ لیکن ان کی ضرورت کہیں زیادہ کی تھی۔ بچوں کی حالت نے دل میں ایک تمنا جگا دی کہ کم از کم ان کو ایک دن پیٹ بھر کر کھانا کھلانا چاہیئے۔ گھر میں جب بچوں سے بات کی تو چاروں بچوں نے بخوشی اپنے تحائف میں سے ایک مناسب رقم دے دی۔ چنانچہ ایک دن ان سب بچوں کو بلایا۔ اُن کے کچھ اور ساتھی بھی آ گئے اور تعداد تقریباً ستر ہزار تک ہوگئی۔ انہیں گھر میں ترتیب سے بٹھا کر ترجمان کے ذریعہ کھانے کے آداب بتانے اور کھانا کھلانے کی توفیق ملی۔ کھانا کھا کر ان بچوں کے چہرے پر جو رونق اور خوشی کے جذبات تھے اس کا بیان ممکن نہیں۔ یہ حقیقی خوشی تھی جسے ہم سب نے محسوس کیا۔

میں نے دیکھا کہ بھوک کے باوجود کسی بچے نے بے صبری کا مظاہرہ نہیں کیا ۔ جب انہیں کھانے کی اجازت دی گئی تو سب نے اپنے حصے کا کھانا آرام سے کھایا۔ ایک دانہ بھی ضائع نہیں کیا۔ کوئی شور شرابہ نہیں ہوا۔ بچوں کو آرام سے کھانا کھاتے دیکھ کر مجھے یوٹیوب پر دیکھی ہوئی ایک ویڈیو یاد آ گئی جس میں کسی دینی اجتماع کے بعد کھانا کھانے کے لئے ''دینی جماعت'' کے عاقل بالغ لوگوں کی دوڑیں لگ رہی تھیں۔ ہر ایک، دوسرے سے زیادہ اور جلدی کھانا حاصل کرنے کی کوشش میں تھا۔ چند منٹوں میں سارا انتظام درہم برہم ہو کر رہ گیا۔ لیکن ادھر ان معصوم بچوں کو جو پرندوں کی طرح روز کا کھانا روز تلاش کرنے نکلتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے صبر بھی زیادہ دے دیا ہے اور برداشت بھی بڑھ چکی ہے۔ کسی ضرورت مند کو کھانا کھلانے کا یہ کوئی انوکھا واقعہ نہیں۔ اسکے بیان کا مقصد صرف اس احساس کو بیان کرنا ہے جسے آپ اس میں سے گزر کر ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ دوسرے اگر کسی ایک فرد کو بھی اس تحریر سے تحریک پیدا ہو جائے تو مقصد پورا ہو جائے گا۔ بے شمار لوگ روزانہ ضرورت مندوں کے کام آتے ہیں۔ بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ لیکن اس سلسلے میں جتنا کام ساری دنیا ملکر کر رہی ہے ضرورت اس سے کہیں زیادہ کی ہے۔ آج بھی بہت سارے لوگ کھانا کھائے بغیر سوتے ہیں۔ world food programme کے مطابق روزانہ 815 ملین لوگ بھوکے سوتے ہیں۔ اور انہیں کچھ بھی کھانے کو نہیں ملتا۔ یعنی نو افراد میں سے ایک آدمی بھوکا رہتا ہے۔ بھوکے سونے کی تکلیف کا احساس ہمیں صرف اس تجربے سے گزر کر ہی ہو سکتا ہے۔ اگر کبھی ہمت ہو تو ٹرائی کر کے دیکھ لیں ساری کہانی سمجھ آ جائے گی۔

ہر تین میں سے ایک بچہ خوراک کی کمی کا شکار ہے۔ ترقی پذیر ممالک میں ہر چھٹے بچے کا وزن اس کی عمر اور جسامت کے لحاظ سے کم ہے۔ روزانہ پرائمری سکول کی عمر کے چھیاسٹھ ملین بچے ناشتہ کیے بغیر سکول جاتے ہیں۔ کیونکہ گھر میں کچھ کھانے کو میسر ہی نہیں۔ پانچ سال سے کم عمر بچوں میں پنتالیس فیصد کی اموات کی وجہ خوراک کی کمی ہے۔ اکیسویں صدی کے اس دور جدید میں ہو سکتا ہے کسی کے لئے یہ اعداد و شمار حیران کن ہوں لیکن یہ آج کی دنیا ہے اور حقیقت ہے۔ بلکہ بعض اندازوں کے مطابق دنیا بھر میں بھوکوں کی اصل تعداد اس سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ جب ہم ان اعداد و شمار کو سنتے ہیں یا کہیں پڑھتے ہیں تو بعض اوقات سمجھتے ہیں کہ یہ دور دراز رہنے والے لوگ ہیں۔ ہمارے محلے اور شہر میں تو لوگ کھانا کھا رہے ہیں۔ شاید ہم پوری طرح اس بات کا ادراک نہیں کر پاتے اور ہماری سوچ اس طرف منتقل نہیں ہوتی کہ یہ بھوکے ضرورت مند لوگ ہمارے ہی ارد گرد ہیں۔ یہ سارے کے سارے دور دراز افریقہ کے جنگلوں یا مشرق و مغرب کے جنگ زدہ علاقوں میں نہیں ہیں۔ یہ ہمارے ہی بھائی بند ہیں۔ ہمارے ہی ماحول میں رہتے ہیں۔ ہمارے ہمسائے ہیں۔ ہمارے ساتھ ہی گلی بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔ کرۂ ارض پر کوئی ایسا ملک نہیں جہاں یہ ضرورت مند پائے نہ جاتے ہوں۔ ان میں سے کچھ دست سوال دراز کرتے ہیں تو کچھ خاموشی سے گھٹ گھٹ کر روزانہ تھوڑا تھوڑا مرتے رہتے ہیں۔ میں نے

پاکستان سے یورپ اور یورپ سے افریقہ تک لوگوں کو کوڑا کرکٹ اور گندگی کے ڈھیر میں سے رزق تلاش کر کے کھاتے دیکھا ہے۔

دنیا کی کوئی NGO، کوئی تنظیم کوئی حکومت اکیلے بھوک اور افلاس کے اس جن پر قابو نہیں پا سکتی۔ اگر ہم سب اپنے اپنے حصہ کا بوجھ اٹھا لیں۔ اور روزانہ کم از کم صرف ایک ضرورت مند کو کھانا کھلا دیں۔ گھر میں روٹی پکاتے ہوئے ایک روٹی زائد بنا لیں۔ سالن بناتے ہوئے شوربہ زیادہ کر لیں اور اسے مناسب طریق سے ضرورت مند تک پہنچا دیں کہ ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ نے ہمیں یہی حکم دے رکھا ہے۔ (مسلم۔ حدیث نمبر 6689) ریسٹورنٹ میں کھانا کھا کر بچا ہوا کھانا پیک کروا لیں اور راستے میں کسی ضرورت مند کو دے دیں۔ اگر گھر، ہوٹل اور ریسٹورنٹس میں ضائع کی جانے والی خوراک ڈسٹ بن میں ڈالنے کے بجائے ضرورت مندوں تک پہنچا دی جائے تو افلاس پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ کیا آپ کے علم میں ہے ایک تہائی خوراک ضائع کر دی جاتی ہے۔ اور اگر اس ضائع کی جانے والی خوراک کا صرف چوتھا حصہ ضرورت مندوں تک پہنچا دیا جائے تو دنیا سے بھوک اور افلاس کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں کو تو تعلیم ہی یہ دی گئی تھی کہ اگر بہترین مسلمان بننا ہے تو خدمت خلق کرو۔ آپ ﷺ نے فرمایا بہترین مسلمان وہ ہے جو سلام کو رواج دے اور اپنے دستر خوان کو وسیع کرے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ **اطعموا لطعام و افشوا السلام**۔ یعنی کھانا کھلاؤ اور سلام کو رواج دو۔ (ترمذی)

حضرت ابن عمر بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت کا خیال رکھتا ہے۔ اللہ اس کی ضرورت کا خیال رکھتا ہے۔ اور جو شخص کسی کی تکلیف اور بے چینی کو اس دنیا میں دور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کی تکلیف اور بے چینی اس سے دور کر دے گا۔ (بخاری حدیث نمبر 2262) بھوکے مہمان کو کھانا کھلانے کے لئے دلچسپ انداز اختیار کرنے کا واقعہ صحابی رسول حضرت ابوطلحہؓ کا ہے۔ حضرت ابوطلحہؓ اور ان کی فیملی کو اکثر مہمان نوازی کی سعادت ملا کرتی تھی۔ اور وہ یہ ایثار اور قربانی دلی خوشی سے کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے ہاں مہمان آیا۔ اس نے کہا میں بھوکا ہوں۔ آپ نے سب سے پہلے اپنے گھر ازواج مطہرات کے ہاں پیغام بھجوایا کہ مہمان نوازی کا کچھ انتظام کریں۔ مگر حالات کی مجبوری کی وجہ سے کسی گھر میں بھی انتظام نہ ہو سکا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو تحریک فرمائی کہ کون اس مہمان کی تواضع کر سکتا ہے۔ حضرت ابوطلحہؓ نے بخوشی حامی بھر لی اور گھر جا کر اپنی اہلیہ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا مہمان ہے اس کی ضیافت کریں۔ انہوں نے کہا گھر میں کھانا تو صرف بچوں کے لئے ہے۔ لیکن اس ایثار پیشہ میاں بیوی نے یہ تدبیر کی کہ بچوں کو بھوکا سلا دیا اور کھانا تیار کر کے مہمان کو پیش کر دیا۔ اور عین کھانے کے وقت گھر کی مالکہ چراغ درست کرنے کے بہانے اٹھیں اور اسے گل کر دیا تا کہ رسول اللہ ﷺ کا مہمان پیٹ بھر کر کھا لے۔

اس طرح خود میزبان کھانے میں عملاً شریک نہ ہوئے۔ مگر مہمان کے اعزاز اور اکرام کی خاطر یہی کرتے رہے کہ گویا وہ کھانے میں شریک ہیں خالی منہ ہلاتے مچاکے لیتے رہے۔ خود رات فاقہ سے گزاری مگر مہمان کی خاطر داری میں فرق نہ آنے دیا۔ صبح جب حضرت ابوطلحہؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا رات مہمان کے ساتھ جو سلوک تم نے کیا خدا تعالیٰ بھی تمھاری یہ ادائیں دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اور تمھاری یہ ادائیں اسے بہت پسند آئیں۔ (بخاری کتاب المناقب)

اگر ہم فضول خوشیوں اور بے معنی تقریبات میں سکون دل تلاش کرنے کے بجائے خدمت خلق کا کوئی کام کر لیں۔ کسی ضرورت مند کی مدد کر دیں۔ اپنے ارد گرد جائزہ لے لیں تو یقیناً ہمیں ایسے لوگ مل جائیں گے جو بھوکے ہیں۔ جن کو ضرورت ہے۔ ایسے گھر مل جائیں گے جہاں ماں اپنے بچوں کو صرف دلاسہ دے کر سلانے کی کوشش کر رہی ہے۔ ایسے بچے مل جائیں گے، جو ماں کا کلیجہ پھاڑ دینے والی بات کہ ''ماں مجھے بھوک لگی ہے'' کہہ رہے ہوں گے۔ بھوک ایسا مسئلہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ نے اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی ہے اور اسے برا ساتھی قرار دیا ہے۔ اللہ ہمیں اس برے ساتھی سے بچائے رکھے۔ آیئے اس کار خیر میں اپنے اپنے دائرے میں اپنی اپنی بساط کے مطابق حصہ لیں۔ اپنے ارد گرد دائیں بائیں، گھر، محلے، شہر اور گاؤں میں، چلتے پھرتے اور بازار میں، دوران سفر ان ضرورت مندوں کی مدد کر کے خدمت انسانیت کے جہاد کا حصہ بن جائیں۔ کاش ہم اس خوبصورت شعر کے مصداق بن جائیں:

مرا مقصود و مطلوب و تمنا خدمت خلق است
ہمیں کارم ہمی بارم ہمیں رسم ہمیں راہم

ہمارا مقصد حیات، ہمارا ٹارگٹ اور دلی تمنا خدمت خلق بن جائے۔ اور پھر کسی گھر، کسی فٹ پاتھ پر، کسی چوک اور چوراہے میں کوئی بھوکا نہ سوئے۔ ایسا کریں تو پھر ہمیں بے معنی اور فضول خوشیوں کو ڈھونڈنے اور مارے مارے ان کے پیچھے بھاگنے کی بھی ضرورت نہ پڑے گی۔

اے آزمانے والے یہ نسخہ بھی آزما

***

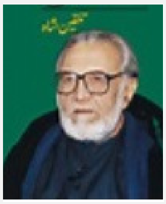

اشفاق احمد ۔ تلقین شاہ

میں اور ممتاز مفتی ایک بار ایک ایسے سفر پر گئے جب ہمیں ایک صحرا سے گذرنا پڑا۔ ہمیں وہاں ایک بڑی مشکل ہوگئی۔ نہ پانی تھا نہ کھانے کو کچھ اور ممتاز مفتی مجھے کوسنے لگا اور میں ان سے کہنے لگا کہ میں نہ کہتا تھا کہ یہ راستہ اختیار نہ کرو بہر حال ہم چلتے گئے اور اس جانب چلے جہاں دور ایک جھونپڑی دکھائی پڑتی تھی۔ ہم تھکے ہارے اس جھونپڑی میں پہنچے تو وہاں ایک سندھی ٹوپی پہنے کندھوں پر شال پہنے ایک بڑی عمر کے شخص بیٹھے تھے۔ ان کی خستہ حالی تو ہم پر عیاں ہورہی تھی مگر ان میں ایک عجیب طرح کا اعتماد تھا۔ ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ دبا دبا کے گلے ملے۔ کنستر سے پانی کا لوٹا بھرا ہمارے منہ ہاتھ دُھلائے۔ ان کی جھونپڑی میں ایک صف سی بچھی تھی۔ اس پر ہمیں ایسے بٹھایا کہ جیسے ہمارا انتظار کر رہے ہوں۔ ہم نے ان سے کہا کہ بڑے میاں آپ اس بیابان میں کیسے رہ رہے ہیں؟۔ وہ بولے۔ کیا خدا نے اپنی مخلوق سے رزق کا وعدہ نہیں کر رکھا۔ ہم نے یک زبان ہوکر کہا ہاں کر رکھا ہے۔ ہم نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کا ذریعہ معاش کیا ہے؟۔ وہ کہنے لگے کہ اس کے خیال میں اس کا ذریعہ معاش ہر دوسرا آدمی ہے۔

میں ہر نماز کے وقت اُٹھتے بیٹھتے اپنے پروردگار سے یہ دعا کرتا ہوں کہ اے میرے رب مجھے کبھی اس کیفیت میں نہ رکھنا کہ میں اکیلا کسی وقت کھانا کھاؤں۔ آپ مجھ پر اپنی رحمت کرنا اور جب بھی کھانے کا وقت ہو تو دوسرا تیرا بندہ بھی ہو جس کے ساتھ بیٹھ کر میں کھانا کھاؤں۔ اس نے بتایا کہ اسے یاد نہیں پڑتا کہ کبھی اس نے اکیلے کھانا کھایا ہو۔ کھانے کے وقت کوئی نہ کوئی انسان ضرور آجاتا ہے۔ آج کھانے کا وقت نکلا جا رہا تھا اور میں پریشان تھا کہ آج میں اکیلا کھانا کیسے کھاؤں گا۔ اس نے دو تین سوکھی سی روٹیاں نکالیں گھڑے کا پانی لایا اور کھانا شروع کردیا۔ میں نے ممتاز مفتی کو کہنی ماری کہ اپنا سودا نکالو۔ ہم نے چلتے وقت بُھنے ہوئے چنے رکھ لیے تھے۔ کہ وہ بوقت ضرورت کام آئیں۔ اس نے روٹیاں نکالیں۔ ہم نے چنے نکالے اور سب نے مزے سے باتیں کرتے ہوئے کھانا کھایا۔ خواتین وحضرات! آپ یقین کریں کہ اس کھانے میں ایک روٹی بچ گئی۔ اور ہمارے چنے بھی کافی سارے بچ گئے۔ اور ہم سیر شکم ہوگئے۔ اس شخص نے بتایا کہ یہاں سے شہر زیادہ دور نہیں ہے۔ چند کوس کے فاصلے پر ہے۔ یہاں سے اُونٹ چرانے والوں کے قافلے گذرتے ہیں آپ ان کے ساتھ چلے جایئے گا۔ ہم نے اپنے باقی چنے وہیں چھوڑ دیئے اور قافلے کے ساتھ شہر پہنچ گئے۔

بچو! یہ بھی دعا تھی۔ ہوسکتا ہے کہ کسی دوسرے کے رزق کے باعث اس شخص کو بھی کھانا میسر ہوتا ہو۔ ممتاز مفتی مجھ سے کہنے لگا کہ یہ شخص بڑا سیانا ہے کسی کے لیے دعا مانگتا ہے اور کھانا خود مزے سے کھاتا ہے۔ ہم صرف اپنے لئے ہی دعا کرتے ہیں اور پھر بھی بھوکے مرتے ہیں۔

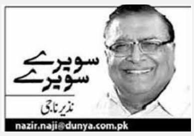

جنرل یحییٰ خان کی داشتائیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے اکثر سربراہ شرابی اور زانی تھے۔ مگر جنرل یحییٰ خان سب سے بازی لے گئے تھے۔ نذیر ناجی حمود الرحمان کمیشن رپورٹ کے مطابق بیان کرتے ہیں۔ جنرل یحییٰ خان (جماعت اسلامی کے امیر المومنین) بے حد عیاشی کی زندگی گزارتے تھے۔ جنگ کے دنوں میں جنرل یحییٰ خان نے اپنے دفتر میں جانا بند کردیا تھا۔ بیگم شاہین کے این حسین، آئی جی پولیس مشرقی پاکستان کی بیوی، بیگم افزودہ بٹ، اقلیم اختر جنرل رانی، میڈم نور جہاں، نازلی بیگم، مسز زینب ملک خضر حیات ٹوانہ کی سابقہ بیوی، انورہ بیگم ڈھاکہ کی ایک بزنیس مین، مسز للّی خان، لیلیٰ مزمل، ان سب خواتین کا ایوان صدر میں اکثر آنا جانا رہتا تھا خصوصاً صبح سویرے گھر کو جاتیں۔ جنگ کے دنوں میں یہ رنگ رَلیاں منائی جاتی تھیں۔ کبھی کبھار جنرل یحییٰ خان بیگم شمیم کے ساتھ کھانا کھانے باہر نکل گئے اور دوسرے دن واپس آئے۔ جب لاہور گئے تو میڈم نور جہاں روزانہ شام کو انہیں ملنے آتی تھی۔ رات بھی رہتی تھیں۔ مسز شمیم کے این حسین، اور کے این حسین کو سفراء مقرر کیا۔ آسٹریلیا میں اور سوئٹزر لینڈ میں سفراء مقرر کردیا۔ جنرل یحییٰ خان اکثر اپنے ملٹری سیکٹری کو اپنی داشتاؤں کے لئے رقوم تقسیم کرواتے تھے۔ ناجائز، اور میرٹ کے بغیر تقرریاں کیں اور مراعات دیں۔

***

کالاباغ ڈیم۔ ایک قدرتی تحفہ

عاصی صحرائی

کالاباغ ڈیم اللہ کا انعام تھا، ہم نے سنجیدہ بحث کیے بغیر اسے متنازعہ بنا دیا۔ ذرا اس ڈیم کی سکیم سمجھیے.... کالام سے دریائے سوات نکلتا ہے جو سارا سال بہتا ہے۔ نوشہرہ پہنچ کر یہ افغانستان سے آنے والے دریائے کابل میں شامل ہوجاتا ہے، اٹک میں یہ دونوں دریا، دریائے سندھ میں مل جاتے ہیں۔ اٹک سے کالاباغ تک پانی کو ذخیرہ کرنے کی کوئی جگہ نہیں۔ کالاباغ ایک قدرتی ڈیم ہے۔ یوں سمجھیے بنا بنایا ڈیم ہے۔ اسی لیے لاگت کم آئے گی اور محض چار سال کی مدت میں مکمل ہوسکتا ہے۔ اب ذرا اس کے فوائد دیکھئے۔ اس سے 3600 میگا واٹ بجلی پیدا ہوگی۔ فی یونٹ بجلی کی قیمت ڈھائی روپیہ تک آجائے گی۔ اس ڈیم کے بھر جانے کی صورت میں کے پی کے کی 7 لاکھ ایکڑ اراضی اراضی سیراب ہوگی۔ سندھ کی تو دس لاکھ ایکڑ اراضی اس سے سیراب ہوسکے گی۔ کیا یہ معمولی فوائد ہیں...؟؟؟ کیا یہ محض اتفاق ہے کہ کچھ این جی اوز غلط اعداد و شمار سے اسے متنازعہ بنا دیتی ہیں اور کچھ قوم پرست سیاستدان اس کی مخالفت میں مرنے مارنے پر اتر آتے ہیں یا یہ پاکستان کے خلاف آبی جارحیت کا ایک پہلو ہے؟ جس ڈیم سے آپ کا توانائی کا بحران ختم ہوسکتا ہے اور آپ کی سترہ لاکھ ایکڑ اراضی سیراب ہوسکتی ہے اس ڈیم کو سنجیدہ بحث کے بغیر ہی متنازعہ بنا دیا گیا۔ ذرا ان اعتراضات کا جائزہ تو لیجیے۔ کہتے ہیں نوشہرہ ڈوب جائے گا۔ یہ جھوٹ اس شدت سے پھیلایا گیا ہے کہ کوئی دوسری بات سننے کو تیار نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کالاباغ ڈیم نوشہرہ سے 110 کلومیٹر دور ہے اور نشیب میں ہے۔ اگر یہ ڈیم بھر بھی جائے تب بھی نوشہرہ اس سے 60 فٹ اونچائی پر ہوگا۔ تو وہ ڈوب کیسے جائے گا؟

سندھ کی بھی سن لیجیے

سادہ اور نیم خواندہ عوام کو خوف دلایا گیا ہے کہ اگر ڈیم بن گیا تو سمندر میں گرنے والا پانی کم ہوجائے گا اور اس کے نتیجے میں سمندر کا پانی آپ کے علاقے میں گھس آئے گا۔ جس صوبے میں آج تک بھٹو زندہ ہے وہاں یہ کہانی گھڑ کر بیچ لینا اتنی مشکل بات بھی نہیں لیکن حقائق اس کے برعکس ہیں۔ حقائق یہ ہیں کہ ہمارا 90 فیصد پانی سمندر میں ضائع ہوتا ہے، سمندر میں گرنے والا پانی اگر پچاس فیصد کم بھی ہوجائے تو یہ عالمی معیار کے مطابق ہوگا اور کالاباغ ڈیم نے سارا پانی تو نہیں روک لینا۔ سمندر میں ایک معقول حد تک تو پانی بھر بھی گرتا رہے گا۔ ویسے بھی سندھ اور کراچی سمندر سے 7 میٹر اونچائی پر واقع ہیں۔ اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ سمندر کا پانی کراچی میں گھس آئے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کالاباغ ڈیم بننے سے سندھ کی دس لاکھ ایکڑ اراضی سیراب ہوگی تو سندھ کا ہاری خوشحال ہوکر زندہ ہوسکتا ہے۔ شاید یہ قبول نہیں۔

شاید طے کرلیا گیا ہے کہ سندھ میں صرف بھٹو زندہ رہے گا کوئی غریب ہاری زندہ نہیں رہ سکتا۔ بعض قوتیں ٹھان چکی ہیں کہ پاکستان کو کالاباغ ڈیم بنانے سے روکنا ہے۔ یہ ڈیم پاکستان کو ایک روشن دور میں داخل کرسکتا ہے۔ چنانچہ اس کے خلاف ایک جذباتی ماحول بنا دیا گیا ہے۔ دیامیر بھاشا ڈیم کو کالاباغ ڈیم کا متبادل بنا کر پیش کرنا بھی اسی مزاحمتی بیانئے کا ایک حصہ ہے۔ حقیقت مگر یہ ہے کہ دونوں میں کوئی تقابل ہی نہیں۔

کالاباغ ڈیم آپ کی سترہ لاکھ ایکڑ اراضی کو سیراب کرے گا اور دیامر بھاشا ڈیم سے تو ڈھنگ کی دو نہریں نہیں نکل سکتیں کیونکہ وہ پہاڑی علاقہ میں واقع ہے۔ نکل بھی آئیں تو کس کام کی...؟ جغرافیائی سمجھ بوجھ بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ تاہم فی الوقت قوم کو چاہیے کہ اس جھوٹے اور دیرینہ سیاسی پراپیگنڈے کو سمجھے اور ہر فورم پر نا کام بنائے... اور ایک بہتر پاکستان کی تعمیر میں اپنا کردار ادا کرے... ورنہ ایک بدترین قحط اور بحران ہمارے منتظر کھڑے ہیں...

کیا پاکستانی مالِ غنیمت ہیں؟

کیا ہم دو خاندانوں کا مالِ غنیمت ہیں؟ کیا یہ پیسہ انھوں نے اپنی جیب سے لگایا یا انکے باپ کا تھا؟ نواز شریف یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی ملتان۔ نواز شریف یونیورسٹی آف ایگریکلچر ملتان۔ شہباز شریف

ہسپتال ملتان۔* میاں نواز شریف گرلز ڈگری کالج سیالکوٹ، نواز شریف گرلز کالج منڈی بہاؤلدین۔ گورنمنٹ شہباز شریف ڈگری کالج جا مکے چیمہ سیالکوٹ ہے۔ نواز شریف ڈگری کالج چونا منڈی، نواز شریف ڈگری کالج سرگودھا۔ نواز شریف میڈیکل کالج گجرات۔ شہباز شریف ڈگری کالج خیابانِ سر سید، راولپنڈی۔ نواز شریف پارک مری روڈ راولپنڈی۔ شہباز شریف سپورٹس کمپلیکس راولپنڈی۔ شہباز شریف سپورٹس کمپلیکس قصور۔ نواز شریف ہسپتال یکی گیٹ لاہور۔ شہباز شریف جنرل ہسپتال ملتان۔ نواز شریف سیکیورٹی ہسپتال لاہور۔ خواجہ صفدر میڈیکل کالج سیالکوٹ۔ شہباز شریف برج جہلم۔ شہباز شریف برج سیالکوٹ۔

ختم نبوت

ستر سال مسلسل ختم نبوت کا تحفظ کر کر کے آج پاکستانی قوم دنیا کی بہترین اور ترقی یافتہ قوم بن چکی ہے۔ ایمانداری۔ نیکی۔ تقویٰ اور پاکیزگی کا یہ عالم ہے کہ کوئی ایک بھی کام رشوت کے بغیر نہیں ہوتا۔ اتنا زیادہ تحفظ ختم نبوت کا کسی مسلمان ملک نے نہیں کیا۔ آج قوم کے افراد قوم کو کتے اور گدھے کا گوشت کھلاتے ہیں۔ قبروں سے مردہ خواتین کی لاشیں نکال کر ان کے ساتھ زنا کیا جاتا ہے۔ مولوی پانچ پانچ چھ چھ سال کے لڑکوں کے ساتھ مساجد کے اندر بدفعلیاں کر کے گلے گھونٹ کر قتل کر رہے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی بچیاں ریپ کر کے قتل کی جا رہی ہیں۔ خواتین سڑکوں پر بچے جنتی ہیں۔ ہسپتالوں میں بچے پیدا ہوتے ہی اغواء ہو جاتے ہیں یا چوہے ان کو کھاتے ہیں۔ حج میں کروڑوں کی کرپشن کی جاتی ہے۔ ڈاکٹرز جعلی۔ دوائیاں بھی جعلی۔ پیر بھی جعلی۔ فقیر بھی جعلی۔ بارہ بارہ سال کی بچیاں اسلحے کے زور پر گھروں سے اُٹھوا کر ریپ کیے جاتے ہیں۔ سیاسی رہنما سارا ملک لُوٹ کر کھا گئے ہیں۔ علماء شراب پیتے ہیں۔ کار کی ڈگی بھری پکڑی جاتی ہے۔ انتہا پسندی۔ تنگ نظری۔ دہشت گردی۔ قتل و غارت۔ شراب۔ جُوا۔ زنا۔ عریانی۔ بے حیائی۔ شادی پر طوائفوں کے ڈانس اور ان پر نوٹوں کی بارش۔ کچھ بھی غیر اسلامی نہیں۔ کچھ بھی غیر اسلامی نہیں۔ سب حلال ہے۔ صرف تحفظ ختم نبوت کا عقیدہ رکھو تو سب حلال ہے۔ دینی مدرسوں میں طلباء کے ساتھ جتنی چاہو بدفعلیاں کرو۔ گلے گھونٹ کر قتل بھی کرو۔ ختم نبوت کا عقیدہ رکھو تو سب جائز ہے۔

پندرہ من اعلیٰ کوالٹی کی ہیروئن پکڑی گئی۔ آٹھ سو بوتل شراب برآمد۔۔ ایک ہی خاندان کے آٹھ افراد کو قتل کر دیا گیا۔۔ کوئی بات نہیں۔ عقیدہ ختم نبوت ہے تو بس ٹھیک ہے۔ دوسروں کے حق مارو۔ چوریاں کرو۔ ڈاکے مارو۔ تشدد کرو۔ عورتوں کے جِن نکالو اور زنا کرو جو چاہے کرو بس عقیدہ ختم نبوت کا رکھو... پینے کے صاف پانی کی بوند بوند کو ترسو۔ بجلی اور گیس کو ترسو۔ عدل و انصاف کے لئے ترستے رہو۔ بس عقیدہ ختم نبوت کا رکھو دنیا کی سب سے بہترین اور ترقی یافتہ قوم بن جاؤ گے۔ لہٰذا آج ستر سالوں کی محنت اور تحفظ کر کر کے ختم نبوت کا قوم دنیا کی بہترین ترقی یافتہ قوم بن چکی ہے۔ کوئی ملک مقابلہ نہیں کر سکتا۔ سچا اسلام۔ سچائی۔ ایمان۔ امن۔ سلامتی۔ عدل و انصاف۔ سائنس اور ٹیکنالوجی۔ تقویٰ۔ اعلیٰ کردار۔ اعلیٰ اخلاق۔ کوئی اور قوم ایسی شاندار نہیں دنیا میں۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

پانی کیلئے ایٹمی حملہ

طارق اسماعیل ساگر صاحب لکھتے ہیں۔

بالآخر پاکستان کو پانی کے لئے بھارت پر ایٹمی حملہ کرنا پڑے گا؟

اس آرٹیکل کا عنوان ہے کہ بالآخر پاکستان کو پانی کے لئے بھارت پر ایٹمی حملہ کرنا پڑے گا؟ آیئے آپ کو بتاتے ہیں کہ بھارت پاکستان کے ساتھ کس طرح جنگ چھیڑ چکا ہے اور اس جنگ میں بھارت کو مسلسل کامیابی مل رہی ہے جب کہ پاکستان کی عوام اور اس کے حکمران گھوڑے بیچ کر سو رہے ہیں۔ اور اس غلط فہمی میں چپ سادھ رکھی ہے کہ کونسا بھارت نے پاکستان کے خلاف میدان جنگ اپنی فوج اُتار دی ہے۔ توقع کے عین مطابق عالمی بینک نے کشن گنگا ڈیم کی تعمیر پر پاکستان کی شکایات اور شواہد کو ناکافی قرار دے کر مسترد کر دیا ہے۔ یہ پاکستان کی بھارت سے سفارتی محاذ پر ایک بڑی شکست ہے۔ کشن گنگا ڈیم کی تعمیر 2009 میں شروع ہوئی جب پیپلز پارٹی کی حکومت تھی اور ن لیگ مضبوط اپوزیشن تھی۔ 2011 کے بعد دو سال تک یہ کیس عالمی عدالت میں چلتا رہا لیکن بالآخر عالمی ثالثی عدالت نے نہ صرف پاکستان کے اعتراضات مسترد کر دیئے بلکہ بھارت کو پانی کا رُخ موڑنے کی اجازت دے دی۔ یاد رہے کہ یہ وہ دور تھا جب بھارت کو پسندیدہ ترین ملک قرار دیا جا رہا تھا اور خارجہ امور کا قلمدان بھی وزیر اعظم میاں نواز شریف کے پاس تھا۔ بھارت نوازی کی داستان صرف یہیں ختم نہیں ہوئی بلکہ دریائے سندھ پر تحقیق سے پتہ

چلا کہ انڈیا نے ڈیم بنا کر دریائے سندھ کا سارا پانی روک لیا، بنائے جانے والے متنازعہ پن بجلی کے منصوبے نیمو باز گو کے خلاف بھی وزیر اعظم صاحب کے احکامات کے مطابق عالمی عدالت میں جانے سے روک دیا گیا کہ "خوامخواہ اس کیس پر وقت ضائع ہوگا"۔۔۔ بھارت نے یہ منصوبہ مکمل کر لیا، یہی نہیں اس دوران "چٹک" کا منصوبہ بھی پایہ تکمیل کو پہنچ گیا اور ہم صرف بھارت سے پینگیں بڑھانے کے خواب دیکھتے رہے۔

میں عموماً سیاسی شخصیات پر تنقید سے اجتناب کرتا ہوں لیکن گزشتہ ایک دہائی میں زراعت اور آبی وسائل کی زبوں حالی کو دیکھ کر خون کھول اُٹھتا ہے۔ مسلم لیگ ن کی ذمہ داریوں کا یہاں سے اندازہ کر لیں کہ اس دور میں بھارت صرف دریائے سندھ پر چودہ چھوٹے ڈیم اور دو بڑے ڈیم مکمل کر چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منگلا ڈیم اکتوبر 2017 سے خالی پڑا ہے جبکہ تربیلا ڈیم بھی اس وقت بارش کا محتاج ہے۔ یہ کہانی یہیں ختم نہیں ہوتی، پانی کے حوالہ سے ہمارا مستقبل بہت دردناک ہے۔ دو سال قبل بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی نے بیان دیا کہ وہ پاکستان کو پانی کی بوند بوند کے لیے محتاج کر دے گا اور وہ اس پر عمل کر رہا ہے۔ بھارت دریائے چناب پر سلال ڈیم اور بگلیہار ڈیم سمیت چھوٹے بڑے 11 ڈیم مکمل کر چکا ہے۔ دریائے جہلم پر وولر بیراج اور ربڑ ڈیم سمیت 52 ڈیم بنا رہا ہے دریائے چناب پر مزید 24 ڈیموں کی تعمیر جاری ہے اسی طرح آگے چل کر مزید 190 ڈیم فزیبلٹی رپورٹس، لوک سبھا اور کابینہ کمیٹی کے پراسس میں ہیں۔

یہ سب کچھ ہمارے سیاستدانوں اور حکمرانوں کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے، لیکن کسی کو اس سے غرض نہیں، کوئی ووٹرز کو عزت دینے کا مطالبہ کر رہا ہے، کوئی مذہب پر سیاست کر رہا ہے تو کوئی بھٹو کے نام پر ملک لوٹ رہا ہے۔

اگر یہ مسئلہ کسی پارٹی کے منشور میں شامل نہیں ہے تو اس کے ذمہ دار ہم ہیں۔ عوام کے ووٹ دینے کے معیار نالیاں پکی کرنا، قیمے والا نان یا نام نہاد نمائشی سکیمیں ہیں، دراصل عوام ذہنی غلام بن چکے ہیں جن کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ان کے سیاسی خداؤں کے تابع ہیں۔ اگر مجھ جیسے کم علم کو یہ حقائق ملکی مستقبل کے لیے فکر مند کر سکتے ہیں تو ہمارے نام نہاد دانشور اور میڈیا ہاؤسز کیوں ان موضوعات پر بات نہیں کرتے؟

کیوں کہ ہم بطورِ عوام ان موضوعات پر بات کرنا ہی نہیں چاہتے۔ مجھے سیاستدانوں سے گلہ نہیں کیوں کہ ان کی جائیدادیں پاکستان سے باہر ہیں، خدانخواستہ پاکستان پر کوئی آنچ آئی تو وہ اسے چھوڑ کر باہر بھاگنے میں دیر نہیں کریں گے۔ مجھے شکوہ عام لوگوں سے ہے جنہوں نے یہاں رہنا ہے، خدا وہ دن نہ دکھائے جب پانی کے گھونٹ کے لیے ایک بھائی دوسرے کا گلا کاٹ رہا ہو۔ بھارت یہ سب اپنے کسانوں کے لیے نہیں کر رہا، بلکہ اس کا مقصد پاکستان کو بنجر کر کے اسکی بائیس کروڑ عوام کو بھوکا اور پیاسا مارنا ہے، بھارت کو علم ہے کے پاکستان کی فوج سے جنگ چھیڑنا اپنی تباہی کے مترادف ہے، کیونکہ پاکستان کی یہ پالیسی ہے کہ اگر بھارت سے جنگ ہونے کی صورت میں اگر پاکستان کی سلامتی کو ذرا سا بھی خطرہ ہوا پاکستان ایٹم بم استعمال کرے گا، لہذا انتہائی چالاکی کے ساتھ بھارت پاکستان کو تباہ کر رہا ہے، اور اس جنگ میں بھارت کو نہ تو پاکستان کی فوج کا سامنا کرنا پڑے گا اور نہ ہی پاکستان کی بائیس اس کروڑ عوام کا۔

پاکستان کی عوام یہ مت سمجھے کہ کیا ہوا اگر بھارت ہمارا پانی روک بھی لے تو ہمیں پینے کے لیے پانی تو ملتا رہے گا، شاید عوام یہ سمجھ رہی ہے کہ ان کے گھر میں کیا گیا بور پانی پینے کے لئے اور زراعت کے لئے ٹیوب ویل غیرہ ان کے لئے کافی ہیں، مگر میں آپ کو بتا دوں کے اگر آپ کے دریاؤں کا پانی روک لیا گیا، تو آپ کے گھر میں کیا گیا بور اور ٹیوب ویل بھی آپ کو پانی دینا بند کر دے گا، کیونکہ زیر زمین پانی کی سطح انتہائی نیچے چلی جائے گی۔ زمین اناج اُگانا بند کر دے گی۔

پاکستان میں جو قحط سالی جنم لے گی وہ انتہائی خوفناک صورت اختیار کر جائے گی، اور اس تباہی کا تصور آپ کر سکتے ہیں۔ بالا آخر پاکستان کو یا تو پیاسا مرنا ہوگا یا پھر ایٹمی جنگ میں مرنا ہوگا، دونوں صورتوں میں پاکستان اور اس کی عوام کو انتہائی دردناک دن دیکھنا پڑیں گے، اور یہ اس صورت میں ہوگا کہ ہم ابھی بھی چپ رہیں اور مجرمانہ لاپرواہی کا مظاہرہ کریں۔

اگر آپ سمجھ رہے ہو کہ اس صورتحال میں پاکستان کی فوج کچھ کر سکتی ہے تو یہ آپ کی بیوقوفی ہے، کیونکہ فوج صرف لڑنے کے لئے ہوتی ہے، زیادہ سے زیادہ فوج بھارت سے لڑ سکتی ہے بھارت کے بنائے گئے ڈیموں کو اپنے میزائلوں سے نشانہ بنا سکتی ہے، مگر یہ مستقل حل نہیں، کیونکہ جواب میں ہمیں بھی میزائلوں کا سامنا کرنا پڑے گا، اور یہ رستہ دونوں ملکوں کی تباہی کا ہے، ہماری حکومتوں کو ہمیں مجبور کرنا ہوگا کہ سفارتی سطح پر بھارت کو یہ ڈیم بنانے اور پاکستان کا پانی روکنے سے باز رکھا جائے۔ ❁

الیکشن کمیشن کہاں ہے؟

آصف محمود

فرض کریں میرے حلقے سے تین مختلف سیاسی جماعتوں کے امیدوار حصہ لے رہے ہوں اور ان کا کردار ایسا ہو کہ میں ان میں سے کسی ایک کو بھی ووٹ دینا پسند نہ کروں۔ اس صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ کیا ریاست نے مجھے کوئی آپشن دے رکھا ہے یا میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں کہ یا تو ان تین نابغوں میں سے کسی ایک کو ووٹ دے کر اپنا نمائندہ بنا لوں یا پھر بے بسی سے اس سارے معاملے سے لاتعلق ہو کر گھر بیٹھ کر کڑھتا رہوں؟ الیکشن کمیشن نے 2013 کے انتخابات سے پہلے اس سوال پر غور و فکر کر کے اس کا حل نکالا تھا۔ اس نے کہا کہ ہم بیلٹ پیپر میں ایک اضافی خانہ متعارف کرانے جا رہے ہیں۔ شیر، بلے، سائیکل، کتاب اور تیر وغیرہ کے انتخابی نشان کے ساتھ ساتھ ہم لوگوں کو یہ آپشن بھی دے رہے ہیں کہ وہ چاہیں تو ان میں سے کسی کو بھی ووٹ نہ دیں۔ بیلٹ پیپر میں ایک اضافی خانہ ہوگا جس میں لکھا ہوگا کہ میں ان تمام امیدواران میں سے کسی ایک کو بھی اس قابل نہیں سمجھتا کہ ووٹ دوں۔ اس خانے میں NOTA لکھا ہوگا۔ یعنی None of the Above۔ الیکشن کمیشن نے تجویز دی کہ اگر 51 فیصد یا اس سے زیادہ ووٹ NOTA کو مل گئے تو الیکشن کالعدم تصور ہوگا۔ الیکشن کمیشن نے اتفاق رائے سے یہ معاملہ وزیر اعظم کو بھیج دیا کہ وہ اسے منظور کر کے صدر پاکستان کو بھیجیں اور صدر پاکستان ایک آرڈیننس کے ذریعے اسے نافذ کر دیں۔ جب یہ سمری وزیر اعظم ہاؤس پہنچی تو وہاں سکوت مرگ طاری ہو گیا۔ معاملہ یوں دبا دیا گیا کہ یہ ٹاک شوز اور کالموں کا موضوع تک نہ بن سکا۔ کاغذات نامزدگی میں ترمیم کے معاملے پر جس طرح سب نے چپکے چپکے اتفاق کر لیا اسی طرح یہاں بھی سب نے چپکے چپکے طے کر لیا کہ ووٹر کو اتنی آزادی نہ دو کہ ہمارے لیے مصیبت کھڑی ہو جائے۔

چنانچہ یہی طے پایا کہ NOTA کا خانہ بیلٹ پیپر میں نہیں ہوگا۔ الیکشن کمیشن نے بھی کمال فرمانبرداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی تجویز کو ایک گناہ سمجھ کر بھلا دیا۔ نہ وہ اس تجویز کو عوام کے سامنے لایا۔ نہ ہی اس نے سپریم کورٹ سے رجوع کرنے کی کوشش کی کہ جناب ہم نے یہ تجویز دی ہے مگر حکومت نے اسے اندھے کنویں میں ڈال دیا ہے تو آپ سے استدعا ہے اس پر مناسب حکم جاری فرمائیے۔ الیکشن کمیشن آج بھی اہل سیاست کی فرمانبرداریوں میں لگا ہوا ہے اور تازہ ترین فیصلہ یہ ہے کہ سپریم کورٹ کے حکم پر امیدواران سے کاغذات نامزدگی کے ساتھ جو بیان حلفی لیا جائے گا اسے ویب سائٹ پر نہیں ڈالا جائے گا۔ بلکہ پورا اہتمام کیا جائے گا کہ عوام کی اس پر نظر نہ پڑے۔ اب آیئے اس پہلو کی جانب کہ الیکشن کمیشن نے NOTA کی یہ تجویز کیوں دی تھی؟ اس کی تین وجوہات تھیں۔ پہلی وجہ یہ تھی کہ اس صورت میں ٹرن آؤٹ بڑھتا اور لوگوں کی اکثریت جو لاتعلق ہو کر گھر بیٹھ جاتی ہے وہ گھر سے نکلتی اور آ کر کہتی کہ ان میں سے کوئی امیدوار ہمیں قبول نہیں۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ جب سیاسی قیادت کو معلوم ہوتا کہ عوام کے پاس اب NOTA کا آپشن موجود ہے تو وہ ٹکٹوں کی تقسیم کے وقت زیادہ محتاط ہو کر فیصلے کرتے اور نسبتاً بہتر امیدواران میدان میں اتارے جاتے۔ تیسری جہ یہ تھی کہ اگر لوگ بھاری تعداد میں ووٹ ڈالنے میں آتے تو اس سے جعلی ووٹ ڈالنے کا عمل رک جاتا یا انتہائی کم ہو جاتا۔ کیونکہ دیکھا یہ گیا ہے کہ جو لوگ ووٹ ڈالنے نہیں آتے ان کے جعلی ووٹ بھگتا دیے جاتے ہیں۔ یہ تجویز کوئی انوکھی تجویز نہیں تھی۔

دنیا کے بہت سے ممالک میں NOTA متعارف کرایا جا چکا ہے۔ کولمبیا، یوکرائن، برازیل، فن لینڈ، سپین، سویڈن، چلی، فرانس، بلجیم، امریکہ کی بعض ریاستوں اور حتی کہ بنگلہ دیش اور بھارت میں یہ آپشن مختلف شکلوں میں موجود ہے۔ بھارت میں الیکشن کمیشن نے اسے متعارف کرانا چاہا تو حکومت نے یہ تجویز رد کر دی۔ چنانچہ معاملہ سپریم کورٹ تک جا پہنچا اور سپریم کورٹ نے الیکشن کمیشن کو حکم دے دیا کہ وہ اس آپشن کو بیلٹ پیپر میں شامل کرے۔ چنانچہ 2014 کے عام انتخابات میں ساٹھ لاکھ (6000000) ووٹرز نے NOTA پر مہر لگائی۔

بھارت میں معاملہ سپریم کورٹ تک جا سکتا ہے تو پاکستان میں کیوں نہیں جا سکتا؟ الیکشن کے ہنگاموں میں قوم کو یہ اقوال زریں تو سنائے جاتے ہیں کہ

ووٹ ضرور ڈالیے اور ایک ذمہ دار شہری ہونے کا ثبوت دیجیے لیکن اس سوال کا جواب کون دے گا کہ اگر کوئی آدمی کسی بھی امیدوار کو ووٹ نہ دینا چاہے تو اس کے پاس کیا آپشن ہوگا؟ ووٹ ڈالنا اگر عوام کا آئینی حق ہے تو کیا NOTA کا آپشن ان کے بنیادی جمہوری حقوق میں شامل نہیں ہے؟ کیا اس جبر کا کوئی جواز ہے کہ عوام کے آپشن کو محدود تر کر کے انہیں عملاً بے بس کر دیا جائے۔ ہمارے ہاں غالباً یہ طے کر لیا گیا کہ قانون سازی صرف بالا دست طبقات کے مفاد میں کی جائے گی۔ اس طبقے کا مفاد ہوگا تو پارلیمان میں سب مل کر کاغذات نامزدگی میں واردات ڈال دیں گے اور اس طبقے کے مفاد کا تقاضا ہوگا تو سپریم کورٹ کے حکم کے بعد مجبوری کے عالم میں ان سے بیان حلفی تو لے لیا جائے گا لیکن اسے ویب سائٹ پر نہیں ڈالا جائے گا۔ تاکہ ووٹر ان کی واردات سے بے خبر رہے۔ ہمارے انتخابی قوانین اسی بالا دست طبقے کے مفادات کا تحفظ کر رہے ہیں۔ اس سے بڑا تماشا کیا ہو سکتا ہے کہ ایک عام ووٹر پر پابندی ہے کہ وہ صرف ایک حلقے سے ووٹ ڈال سکتا ہے لیکن بالا دست طبقے کو آزادی ہے وہ چاہے تو پانچ حلقوں سے الیکشن میں حصہ لے لے۔ ایک سے زیادہ حلقے سے جیتنے کے بعد وہ ایک حلقہ پاس رکھ کر باقی حلقے چھوڑ دے اور قرضے میں جکڑی غریب قوم اس انوکھے لاڈلے کے چھوڑے ہوئے حلقے میں پھر سے قومی وسائل جھونک دے اور ضمنی انتخاب کروائے۔ کیا الیکشن کمیشن کو احساس ہے کہ کسی حلقے کا ضمنی الیکشن قوم کو کتنے میں پڑتا ہے؟ انتخابی عملے کی ڈیوٹی لگتی ہے، پولیس اور رینجرز تعینات ہوتی ہیں، بیلٹ پیپرز چھپتے ہیں، مقامی تعطیل کرنا پڑتی ہے، لاکھوں لوگ ایک بار پھر پولنگ سٹیشن کا رخ کرتے ہیں۔ رہنما کا مسئلہ تو سمجھ میں آتا ہے۔ اسے خوف ہو سکتا ہے ہار نہ جائے اس لیے ایک سے زیادہ حلقوں سے حصہ لیتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ ثابت کرنا چاہتا ہو میں بڑا مقبول ہوں پانچ حلقوں سے کامیاب ہوا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کسی حلقے میں ٹکٹ کا فیصلہ نہ کر سکا ہو اور پارٹی کو تقسیم سے بچانے کے لیے خود امیدوار بن بیٹھا ہو۔ لیکن اس سب کی سزا عوام کو کیوں دی جائے؟ بھارت میں بھی پہلے ایسا ہی تھا کہ جو جتنے حلقوں سے چاہے انتخابات میں حصہ لے سکتا ہے۔ پھر وہاں عوامی نمائندگی ایکٹ کی دفعہ 33 میں ترمیم کی گئی کہ ایک آدمی دو سے زیادہ حلقوں سے امیدوار نہیں بن سکتا۔ اور اب 2019 کے انتخابات کے لیے بھارتی الیکشن کمیشن نے سپریم کورٹ سے رجوع کر لیا ہے کہ ایک آدمی کو صرف ایک حلقے سے الیکشن میں حصہ لینے کی اجازت ہونی چاہیے۔ بھارت کا الیکشن کمیشن یہ سب کر سکتا ہے تو ہمارا الیکشن کمیشن کیوں نہیں کر سکتا؟ بہت سے دیگر راستے بھی موجود ہیں۔ کسی کے جیتنے کے بعد حلقہ چھوڑنے کی صورت میں دوسرے نمبر پر آنے والے کو بھی کامیاب قرار دیا جا سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس صورت میں ضمنی انتخابات کے تمام اخراجات بشمول وہاں تعینات اہلکاروں کی کم از کم ایک دن کی تنخواہ اس امیدوار سے وصول کیا جائے جس کے حلقہ چھوڑنے کی وجہ سے ضمنی الیکشن کروانا پڑے۔ انتخابی قوانین میں کوئی اصلاح تو کیجیے۔ یہ ملک چند سیاسی رہنماؤں کی چراگاہ تو نہیں کہ ہم اپنے وسائل اور قومی خزانہ ان انوکھے لاڈلوں کے ایڈونچر کے لیے برباد کرواتے رہیں۔ سوال یہ ہے کہ الیکشن کمیشن کہاں ہے؟ وہ ایک آزاد ادارہ ہے یا چند سیاسی شخصیات کا مزارع؟

عزیز ہم وطن پاکستانیو! سوشل میڈیا کی آگاہی مہم کی بدولت زوال پذیر اسلامی معاشرہ کے دروازے پر انقلاب دستک دے رہا ہے بیدار ہو جاؤ سنبھل جاؤ اپنی تقدیر کا مالک ان سیاسی غنڈوں کو نہ بناؤ بلکہ اپنے فیصلے خود کرو اللہ تعالی ان لوگوں کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت نہیں بدلنا چاہتے سیاسی مافیا اور حکمران بدمعاشیاں کر کے الیکشن الیکشن کے کھیل کا حصہ نہ بنو اور الیکشن کا اس وقت تک بائیکاٹ کرو جب تک مندرجہ بالا اصلاحات نہیں ہو جاتیں۔

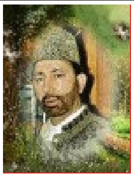

محمد اسحاق اطہرؔ

ہے نہیں فریاد لب پہ عاشق بیتاب کے
کچھ نہ سُن پاؤ گے منہ سے عشق میں غرقاب کے
مصلحت کے بند بھی باندھے اگر عقلِ سلیم
یہ نہیں ٹھہرے گی آگے عشق کے سیلاب کے
کچھ خبر تجھ کو ہے عاقل کہ ہے یہ عشق کیا
عقل آجاتی ہے عاجز سامنے گرداب کے
پھول پر سرسوں کے ہمیں لگتے ہیں اچھے اسلئے
یاد آجاتے ہیں نظارے ہمیں پنجاب کے
اپنی کس خوبی ہی اِترا رہے ہو ہر گھڑی
کونسے ہیں پَر لگے اطہرؔ تمہیں سُرخاب کے

کیپ ٹاؤن شہر نہیں... آخری وارننگ ہے!

(عاصی صحرائی)

کیپ ٹاؤن کا نام تو آپ نے سنا ہوگا۔اس کا شمار براعظم افریقہ کے متمول ترین شہروں میں ہوتا ہے۔جنوبی افریقہ کی پارلیمنٹ اسی شہر میں قائم ہے۔دنیا کے کئی ارب پتیوں نے یہاں املاک خریدی ہوئی ہیں۔نیلا بحراوقیانوس مٹیالے بحرِ ہند سے کیپ ٹاؤن کے کناروں پر ہی گلے ملتا ہے۔پینتالیس لاکھ آبادی ہر جدید اور خوشحال شہر کی طرح دوطبقات میں بٹی ہوئی ہے۔خادم اور مخدوم۔جو مخدوم ہیں وہ بہت ہی مخدوم ہیں۔سب کے رنگ صاف اور تمتماتے ہوئے۔زندگی کا محور بڑے بڑے سوئمنگ پولز والے ولاز، سایہ دار گلیاں، تازہ ماڈل کی گاڑیاں، فارم ہاؤسز، کارپوریٹ بزنس اور پارٹیاں۔شہر کے اسی فیصد آبی وسائل بیس فیصد مخدوموں کے زیرِ استعمال ہیں اور باقی اسی فیصد خدام کو بیس فیصد پانی میسر ہے۔دس برس پہلے کچھ پاگل ماہرین نے خبردار کیا تھا کہ بڑھتی آبادی، اوور ڈویلپمنٹ (اس کا اردو ترجمہ میں نہیں کرسکتا) اور ماحولیاتی تبدیلی جلد ہی کیپ ٹاؤن کو ناقابلِ رہائش بنادے گی۔ظاہر ہے یہ وارننگ سن کر سب ہنس پڑے ہوں گے۔اب سے تین برس پہلے تک کیپ ٹاؤن کشل منگل تھا۔شہر کی آبی ضروریات پوری کرنے کے لیے گردونواح میں چھ ڈیموں کے ذخائر میں ہر وقت پچیس ارب گیلن پانی جمع رہتا تھا۔امرا کو ہر ہفتے سوئمنگ پول میں پانی بدل دینے میں کوئی مسئلہ نہیں تھا۔کتوں کو بھی روزانہ دو بار پھواری غسل دینا معمول تھا۔کارتو ظاہر ہے روزانہ دھلتی ہی ہے، باغ کو مالی پانی نہیں دے گا تو مالی کی ضرورت کیا۔پھر کرنا خدا کا یوں ہوا کہ خشک سالی آ گئی، آبی ذخائر بھرنے والے پہاڑی، نیم پہاڑی اور میدانی نالوں کی زبانیں نکل آئیں۔دھیرے دھیرے پچھلے برس اگست سے آبی قلت کیپ ٹاؤن کے ہر طبقے کو چبھنے لگی۔دسمبر تک یہ آبی ایمرجنسی میں بدل گئی اور آج حالت یوں ہے کہ کیپ ٹاؤن کا حلق تر رکھنے والے چھ بڑے آبی ذخائر میں پانی کی سطح چوبیس فیصد رہ گئی۔جب یہ دس فیصد پر پہنچ جائے گی تو پانی عملاً کیچڑ کی شکل میں ہی دستیاب ہوگا۔چنانچہ آبی مارشل لا نافذ کرنا پڑ گیا ہے۔جن آبی ذخائر اور نالوں میں فی الحال رمق بھر پانی موجود ہے وہاں آبی لوٹ مار، ڈکیتی، پانی کی چھینا جھپٹی اور چوری روکنے کے لیے مقامی پولیس کا اینٹی واٹر کرائم پٹرول متحرک ہے۔غربا کو پانی کی فراہمی کے لیے دوسو ہنگامی آبی مراکز قائم کیے گئے ہیں جہاں سے پچاس لیٹر روزانہ فی کنبہ راشن حاصل کیا جاسکتا ہے (یہ پانی آٹھ منٹ تک باتھ شاور سے گرنے والے پانی کے برابر ہے)۔سوئمنگ پول، باغبانی اور گاڑیوں کی دھلائی قابلِ دست اندازی پولیس جرم ہے۔فائیو اسٹار ریسٹورنٹس پیپر کراکری استعمال کررہے ہیں۔اچھے ہوٹلوں میں دو منٹ بعد شاور خود بخود بند ہوجاتا ہے۔یہ بحران مزید سنگین جولائی تک ہوگا جب پہلے ہفتے میں ڈے زیرو آ جائے گا۔ڈے زیرو کا مطلب ہے استعمالی پانی کی نایابی۔حکومت ابھی سے ڈے زیرو سے نمٹنے کی تیاری کررہی ہے۔کیپ ٹاؤن دنیا کا پہلا ڈے زیرو شہر بننے والا ہے۔اس کے پیچھے ایک سو انیس اور شہر کھڑے ہیں۔ان میں بھارت کا آئی ٹی کیپٹل بنگلور اور پاکستان کا کراچی، لاہور اور کوئٹہ بھی شامل ہے۔آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں۔سنبھلنے کی مہلت تیزی سے کم ہورہی ہے۔مگر جس ریاست میں میٹھے پانی کی سب سے بڑی جھیل منچھر زہر کا پیالہ بن گئی، جہاں کراچی کو پانی فراہم کرنے والی کلری جھیل کو ہالیجی سے میٹھا پانی فراہم کرنے والی نال کو آلودہ پانی لے جانے والی نہر (ایل بی او ڈی) نے کاٹ ڈالا، جہاں کوئٹہ کی ہنا جھیل سوکھے پاپڑ میں بدل گئی، جہاں دریاؤں اور سمندر کے ساحل کو خام کچرے اور صنعتی فضلے کا کوڑا گھر بنا کر اجتماعی ریپ ہورہا ہے، زہریلے پانی سے سبزیاں اگا کے انھیں فارم فریش سمجھ کے ہم اپنے بچوں کے پیٹ میں اتاررہے ہوں.حالات جس طرف جارہے ہوں اور ان کی سنگینی کا جس قدر احساس ہے اور اس احساس کو مٹانے کے لیے جس طرح ہر فورم پر بس بتایا جارہا ہے۔اس کے بعد وہ وقت دور نہیں جب کسی عدالت کا ازخود نوٹس تیرانے کے لیے بھی صاف چھوڑ گدلا پانی میسر ہو۔

وضو کو مانگ کر پانی تجل نہ کر اے میر
وہ مفلسی ہے تیمم کو گھر میں خاک نہیں

خدارا! جن احباب کے پاس کسی بھی سیاستدان، لیڈر، اینکر، ایکٹر، میڈیا، سوشل میڈیا تک رسائی ہے، وہ یہ پوسٹ ضرور آگے بڑھائیں۔

***

لال مسجد آپریشن کیوں ہوا؟ کچھ تلخ حقائق

(اے آر خان)

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں لال مسجد اور قبائلی علاقوں میں آپریشن نے پاک آرمی کو بہت بدنام کیا ہے۔ جتنے منہ اتنی باتیں، کوئی فوج کو ننگی گالیاں دے رہا ہے تو کوئی کہتا ہے ڈالر لے کر یہ دونوں کام ہوئے۔ کوئی لال مسجد والوں کو قصوروار ٹھہراتا ہے۔

ایک مسلمان ہونے کے ناطے لال مسجد آپریشن سب کے لیے باعثِ شرم ہے۔ مسجد کا تقدس پامال ہوا، قرآن پاک اور لوگ بھی شہید ہوئے اور ایک بہت بُرا تاثر قائم ہوا۔

لال مسجد والوں کا کہنا تھا کہ اسلامی شریعہ نافذ ہو۔ بے حیائی کے اڈے بند ہوں۔ بات ٹھیک تھی کوئی شک نہیں، لیکن طریقہ غلط تھا۔ اپنی بات کو منوانے کیلیے انہوں نے لوگوں کو اغوا بھی کیا۔ اسلحہ کے زور پے بدمعاشیاں بھی کی۔ عورتوں کو سرِ عام بازار میں ذلیل کیا گیا۔ سی ڈی شاپ کو آگ لگائی گئی اسکے باوجود 18 ماہ تک کوئی آپریشن نہیں کیا گیا۔ کیونکہ یہ مسئلہ اس وقت تک آرمی کا نہیں تھا۔ بلکہ مسئلہ تب اسلام آباد لوکل گورنمنٹ اور پولیس کا تھا۔ مارچ 2007 میں لال مسجد کی طالبات نے تین عورتوں کو اغوا کیا اور الزام عائد کیا کہ یہ جسم فروشی کا کاروبار کرتی ہیں۔ بعد میں ان کو رہا کیا گیا۔

فروری 2007 کو عبدالعزیز نے پاکستان سپریم کورٹ کے متوازی شرعیہ کورٹ بنالی اور دھمکی دی گئی اگر اس شرعیہ کورٹ کی بات نا مانی گئی یا کورٹ ختم کی گئی تو ہزاروں خودکش حملہ آوروں کو کھلی آزادی ہوگی وہ جہاں مرضی خودکش حملہ کریں۔

لال مسجد کے طلبہ و طالبات نے چلڈرن لائبریری پر دھاوہ بول دیا اور قبضہ کرلیا لیکن انہوں نے یہیں تک بس نہیں کیا بلکہ دس چائینیز اور بہت سے لوگوں جن میں مرد اور خواتین شامل ہیں کو اغوا کیا۔ تین جولائی 2007 کو جامعہ حفصہ کی طالبات کی پاکستان رینجرز کے ساتھ جھڑپ ہوئی۔ عینی شاہدین کے مطابق پاکستان کے رینجرز نے ہوائی فائرنگ کی لیکن ڈنڈا بردار طالبات نے ان سے وائرلیس سیٹ اور ہتھیار چھین لیے۔ رینجرز کو فلحال کوئی حکم نہیں تھا جوابی کاروائی کا۔ پولیس آئی اور آنسو گیس کے گولے فائر کر کے رینجرز کو چھڑایا۔ لیکن بات یہیں نہیں ختم ہوئی بلکہ پھر ڈیرھ سو طلبہ و طالبات نے محکمہ موسمیات کی عمارت پہ حملہ کر دیا اور وہاں آتے جاتے لوگوں پر فائرنگ شروع کر دی۔ پولیس اور رینجرز نے وہاں جوابی کاروائی کی۔ اس آپریشن کے خاتمے پر 9 لوگ ہلاک ہوئے جن میں 4 لال مسجد کے حملہ آور بھی تھے۔ وہ علاقہ فوراً خالی کروا لیا گیا اور پاک آرمی کے شردل جوانوں نے کنٹرول سنبھال لیا۔ آگلے دن پورے علاقے میں کرفیو لگا دیا گیا اور آرمی کو حکم ملا کہ کوئی بھی مسجد سے باہر اسلحہ سمیت نکلے تو فوراً پکڑ لیا جائے، اگر مزاحمت ہو تو گولی مار دی جائے۔ حکومتِ پاکستان نے فی طالبات کو پانچ پانچ ہزار مع فری تعلیم کی پیش کش کی طالبات کو ان کے گھر پہنچانے کی ضمانت بھی دی گئی۔ چار جولائی 2007 تک دونوں اطراف سے فائرنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ اس دوران حکومت کی جانب سے دو بار ڈیڈ لائن بھی دی گئی۔ لیکن لال مسجد کی انتظامیہ نے ہتھیار نہیں پھینکے۔ پانچ جولائی کو تیسری اور چوتھی ڈیڈ لائن دی گئی کیونکہ پاکستان آرمی کسی بھی صورت مسجد میں آپریشن نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسی دوران عبدالعزیز برقع پہن کر بھاگنے کی کوشش میں گرفتار ہوئے۔ جب اپنے لیڈر کو گرفتار ہوتے دیکھا تو چار سو طالبات اور آٹھ سو کے قریب طلبہ ہتھیار پھنک کر اپنے آپ کو حکومت کے حوالے کر دیا۔ چھ جولائی کو بھی مسجد میں حکومت اسلامی جمہوریہ پاکستان کے لوگ مذاکرات کرنے گئے، عبدالعزیز کے چھوٹے بھائی عبدالرشید کے ساتھ مذاکرات ہوئے، لیکن کامیاب نا ہوسکے، عبدالرشید نے کہا کہ میری ماں کو باحفاظت باہر لے جایا جائے اور انکا علاج کروایا جائے، ہم ہتھیار پھینک دیں گے لیکن کسی کو کچھ نا کہا جائے۔ حکومتی وفد خوشی خوشی واپس آ گیا کہ شاید مذاکرات کامیاب ہونے جا رہے ہیں۔ لیکن کچھ ہی دیر بعد لال مسجد سے سکیورٹی اہلکاروں پر فائرنگ کی گئی۔ اسی شام جیو نیوز کے لائیو پروگرام میں عبدالرشید اپنی شرائط سے پھر گئے۔ ممکن ہے مسجد کے اندر کچھ القائدہ کے دہشت گرد موجود تھے جنہوں نے سکیورٹی اہلکاروں پر فائرنگ کروائی اور عبد الرشید کو مطالبات سے مکر جانے پر مجبور بھی کیا تا کہ فوج کو آپریشن پر مجبور کیا جاسکے۔ اس دوران اکیس مزید طلبہ و طالبات نیا پنے آپ کو حکومت کے حوالے کر دیا، اور پاک آرمی کے جانثار کمانڈوز کو مسجد کا گھیرا کرنے کا حکم ملا۔ لیکن پاک آرمی کے جوانوں کو مسجد کی جانب سے سخت اور بھاری ہتھیاروں سے فائرنگ کا سامنا تھا، جنرل مشرف اسلام آباد سے بلوچستان میں سیلاب سے

متاثرہ علاقوں کا دورہ کرنے کیلیے نکلے، جونہی ان کے طیارے نے پرواز کی، لال مسجد کی چھت سے اینٹی ائیر کرافٹ گن سے ان کے طیارے کو نشانہ بنایا گیا،لیکن طیارے کو کوئی نقصان نہیں ہوا۔اب آرمی، آئی ایس آئی پر واضح ہو گیا کہ مسجد میں چھپے صرف طالبعلم نہیں بلکہ انکے ہتھیاروں اور باہر سے مسجد کو ملنے والی معلومات سے یقین ہو گیا تھا کہ اندر طالبان اور القائدہ سے تعلق رکھنے والے دہشت گرد ہیں۔میں ان لوگوں کی باتوں پے حیران ہوتا ہوں جو صاف جھوٹ بولتے ہیں اور کہتے ہیں کوئی ہتھیار نہیں تھا بلکہ آرمی نے خود رکھے تھے، ابھی آپریشن شروع نہیں ہوا تھا،کوئی بھی مسجد کے قریب جاتا تو سامنے سے ہیوی فائرنگ کا سامنا کرنا پڑتا۔ یہ اینٹی ائیر کرافٹ گن اور ٹینک شکن راکٹ لانچر مسجد کے اندر کہاں سے آ گئے؟ سات جولائی کو ایس ایس جی کمانڈوز کو سخت مزاحمت کا سامنا تھا، اسی فائرنگ کی زد میں کمانڈوز کے کرنل ہارون اسلام آ گئے اور دو دن بعد ہسپتال میں دم توڑ گئے، آپریشن کامیاب رہا اور پاکستانی کمانڈوز کو لال مسجد کی دیواروں تک رسائی مل گئی۔ تاہم عبدالرشید نے ہتھیار پھینکنے سے انکار کر دیا۔ اس دوران مفتی اعظم اور امام کعبہ شیخ عبدالرحمان سدیس اور مولانا طارق جمیل بھی عبدالرشید سے مذاکرات کرنیکی کوشش کرتے رہے کہ ہتھیار پھینک دو، مسجد کے تقدس کا خیال کرو، زبردستی کا اسلام نافذ کرنا غلط ہے وغیرہ۔ یہاں تک کہ امام کعبہ نے ریاست پاکستان اور پاک فوج کے خلاف ہتھیاروں سے فائرنگ کرنے والوں کو واضع الفاظ میں خوارج بھی کہا اور ان کو قتل کرنا جائز قرار دیا۔

اب یہ جنگ گرفتاری یا آپریشن ہی سے ختم ہو سکتی تھی۔اس لیے لال مسجد کی انتظامیہ ہتھیار پھینکنے پر آمادہ نہیں ہوئی، اس کی سب سے بڑی وجہ اندر چھپے ہوئے کچھ القائدہ کے لوگ تھے جنکے پاس آرمی سے لڑنے کیلیئے خطرناک جدید ہتھیار تھے۔آرمی نے ایمبولنس اور کھانے کا سامان بھیجا اور لال مسجد انتظامیہ سے کہا کے بچوں کو باہر بھیج دیں کیونکہ آرمی یہی چاہتی تھی کہ تمام طالب علم بچے باہر نکل جائیں اور باقی القائدہ کے دہشت گردوں سے مقابلا کر کے مسجد خالی کروائی جائے۔لیکن شاید اب یہ جنگ انا کی جنگ بن چکی تھی۔چنانچہ دس جولائی کو کمانڈوز نے پیشقدمی کا فیصلہ کیا لیکن مسجد کی جانب سے شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ مسجد کے اندر سے جدید ہتھیاروں سے فائرنگ کی جا رہی تھی۔ابھی تک پاکستان آرمی کے کمانڈوز کو بم یا ہینڈ گرنیڈ استعمال کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ آخر کمانڈوز نے لال مسجد کے احاطے پر قبضہ کر لیا، جو آنسو گیس کے شیل پھینکے گئے تھے انکا کوئی اثر نہیں ہو سکا، کیونکہ اندر موجود عسکریت پسندوں نے ماسک پہن رکھے تھے۔اب تمام عسکریت پسند مسجد سے جامعہ حفصہ اپنے مورچوں میں چلے گئے، یہ بنکرز یا مورچے تین ماہ پہلے بنائے گئے تھے۔شاید ان کو پتا تھا کہ یہ سب ہوگا۔اسلیے خطرناک اسلحے کے ڈھیر جمع کیے اور چھپنے کے لیے بنکرز بنا رکھے تھے۔ جب بہت زیادہ مذاحمت ہوئی اور راکٹ لانچر، سلفر بموں سے کمانڈوز پر حملے پر ہوئے تو کمانڈوز نے بھی جوابی کاروائی کی۔لیکن ان کا استقبال مشن گن سے کیا گیا۔اسی دوران ایک عسکریت پسند نے خودکش حملہ کیا اور وہاں موجود تمام لوگ مر گئے۔عبدالرشید کو پاوں میں گولی لگی لیکن ہتھیار پھینک کر کہا میں ہتھیار پھینکتا ہوں۔ اور ہاتھ اوپر کر لیے لیکن انکے ساتھ کھڑے عسکریت پسندوں (القائدہ دہشت گردوں) نے ہتھیار نہیں پھینکے اور کراس فائر میں عبدالرشید اپنے ہی ساتھی کی گولی کی زد میں آ گئے۔

اس آپریشن میں کل 109 لوگ جاں بحق ہوئے۔ 91 عسکریت پسند اور 10 باقی لوگوں میں کمانڈوز اور ایک رینجر کا اہلکار شامل ہے۔کل 1096 لوگوں کو باحفاظت باہر نکالا گیا جن میں 628 مرد، 465 عورتیں اور تین بچے شامل ہیں۔اس آپریشن پے بہت کھیل کھیلا گیا، سیاسی اور مذہبی بھی۔کبھی کوئی کہتا ہے ہزاروں مارے گئے، کوئی کہتا ہے فوج نے کلسٹر بم استعمال کیے۔میری سب پاکستانیوں سے گذارش ہے کہ تنقید سے پہلے حقائق جان لینے چاہیں۔انسان کو اتنا بھی انتہا پسند نہیں ہونا چاہیے کہ اپنی موت کا تو خود زمہ دار بنے لیکن ساتھ دوسرے ہزاروں کی زندگی بھی تباہ کر دیں۔

اس جنگ میں اسلام بدنام ہوا، دشمن دل سے خوش ہوا ہوگا، اگر پاکستان کے قانون ا کو نہیں پسند تو ان لیڈرز کو سامنے لائیں جو آپ کی آواز بنیں۔اور میری یہ بھی گزارش ہے کی خدارا گورنمنٹ کی رِٹ کو چیلنج کرنا چھوڑ دیں۔اگر لڑائی کا اتنا شوق ہے تو پولیس یا آرمی میں بھرتی ہو جاہیں۔ اپنے مکروہ اور شدت پسند چہرے کو چھپانے کیلیئے پاکستان آرمی کو بدنام کرنا چھوڑ دیں، میڈیا اور عسکریت پسندوں کی وجہ سے پہلے ہی آرمی تنگ ہے۔ جو آپ کی حفاظت منفی پچاس ڈگری درجہ حرارت میں بھی کرتے ہیں، اللہ سب کو سمجھنے کی قوت دے اور پاکستان کو پرسکون بنا دے۔آمین آئندہ اگر کوئی لال مسجد کے نام پر آپ کو فوج کے خلاف نفرت پر اکسائے تو اس کے منہ پر یہ حقائق مار دیجیے گا کیونکہ ایسے جاہلوں کو خود بھی حقائق معلوم نہیں ہوتے، یہ لوگ بھی بس سنی سنائی باتوں پر یقین کرتے ہیں اور یہ جھوٹی کہانیاں بھی دشمن کے لوگ ہی پھیلاتے ہیں تا کہ مذھبی حلقوں کو یہ باور کروایا جائے کہ پاک فوج کفار کی فوج ہے تا کہ فوج کمزور ہو اور دشمن کو موقع مل سکے کہ پاکستان کو بھی شام و عراق کی طرح تباہ و برباد کر دے۔

***

دلچسپ اور سبق آموز واقعہ

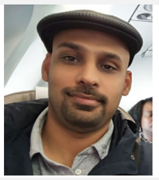

عبدالوحید خان رانا

خلیفہ ہارون الرشید عباسی خاندان کا پانچواں خلیفہ تھا' عباسیوں نے طویل عرصے تک اسلامی دنیا پر حکومت کی لیکن ان میں سے شہرت صرف ہارون الرشید کو نصیب ہوئی۔ ہارون الرشید کے دور میں ایک بار بہت بڑا قحط پڑ گیا۔ اس قحط کے اثرات سمرقند سے لے کر بغداد تک اور کوفہ سے لے کر مراکش تک ظاہر ہونے لگے۔ ہارون الرشید نے اس قحط سے نمٹنے کیلئے تمام تدبیریں آزما لیں' اس نے غلے کے گودام کھول دیئے' ٹیکس معاف کر دیئے' پوری سلطنت میں سرکاری لنگر خانے قائم کر دیئے اور تمام امرا اور تاجروں کو متاثرین کی مدد کیلئے موبلائز کر دیا لیکن اس کے باوجود عوام کے حالات ٹھیک نہ ہوئے۔ ایک رات ہارون الرشید شدید ٹینشن میں تھا' اسے نیند نہیں آ رہی تھی' ٹینشن کے اس عالم میں اس نے اپنے وزیر اعظم یحییٰ بن خالد کو طلب کیا' یحییٰ بن خالد ہارون الرشید کا استاد بھی تھا۔ اس نے بچپن سے بادشاہ کی تربیت کی تھی۔ ہارون الرشید نے یحییٰ خالد سے کہا ''استاد محترم آپ مجھے کوئی ایسی کہانی' کوئی ایسی داستان سنائیں جسے سن کر مجھے قرار آ جائے'' یحییٰ بن خالد مسکرایا اور عرض کیا ''بادشاہ سلامت میں نے اللہ کے کسی نبی کی حیات طیبہ میں ایک داستان پڑھی تھی داستان مقدر' قسمت اور اللہ کی رضا کی سب سے بڑی اور شاندار تشریح ہے۔

آپ اگر...اجازت دیں تو میں وہ داستان آپ کے سامنے دہرا دوں'' بادشاہ نے بے چینی سے فرمایا ''یا استاد فوراً فرمائیے۔ میری جان حلق میں اٹک رہی ہے'' یحییٰ خالد نے عرض کیا ''کسی جنگل میں ایک بندریا سفر کیلئے روانہ ہونے لگی' اس کا ایک بچہ تھا' وہ بچے کو ساتھ نہیں لے جا سکتی تھی چنانچہ وہ شیر کے پاس گئی اور اس سے عرض کیا ''جناب آپ جنگل کے بادشاہ ہیں' میں سفر پر روانہ ہونے لگی ہوں' میری خواہش ہے آپ میرے بچے کی حفاظت اپنے ذمے لے لیں'' شیر نے حامی بھر لی' بندریا نے اپنا بچہ شیر کے حوالے کر دیا' شیر نے بچہ اپنے کندھے پر بٹھا لیا' بندریا سفر پر روانہ ہوگئی' اب شیر روزانہ بندر کے بچے کو کندھے پر بٹھاتا اور جنگل میں اپنے روزمرہ کے کام کرتا رہتا۔ ایک دن وہ جنگل میں گھوم رہا تھا کہ اچانک آسمان سے ایک چیل نے ڈائی لگائی' شیر کے قریب پہنچی' بندریا کا بچہ اٹھایا اور آسمان میں گم ہوگئی' شیر جنگل میں بھاگا دوڑا لیکن وہ چیل کو نہ پکڑ سکا'' یحییٰ خالد رکا' اس نے سانس لیا اور خلیفہ ہارون الرشید سے عرض کیا ''بادشاہ سلامت چند دن بعد بندریا واپس آئی اور شیر سے اپنے بچے کا مطالبہ کر دیا۔ شیر نے شرمندگی سے جواب دیا' تمہارا بچہ تو چیل لے گئی ہے' بندریا کو غصہ آ گیا اور اس نے چلا کر کہا ''تم کیسے بادشاہ ہو' تم ایک امانت کی حفاظت نہیں کر سکے' تم اس سارے جنگل کا نظام کیسے چلاؤ گے'' شیر نے افسوس سے سر ہلایا اور بولا ''میں زمین کا بادشاہ ہوں' اگر زمین سے کوئی آفت تمہارے بچے کی طرف بڑھتی تو میں اسے روک لیتا لیکن یہ آفت آسمان سے اتری تھی اور آسمان کی آفتیں صرف اور صرف آسمان والا روک سکتا ہے''۔

یہ کہانی سنانے کے بعد یحییٰ بن خالد نے ہارون الرشید سے عرض کیا ''بادشاہ سلامت قحط کی یہ آفت بھی اگر زمین سے نکلی ہوتی تو آپ اسے روک لیتے' یہ آسمان کا عذاب ہے' اسے صرف اللہ تعالیٰ روک سکتا ہے چنانچہ آپ اسے رکوانے کیلئے بادشاہ نہ بنیں' فقیر بنیں' یہ آفت رک جائے گی''۔ دنیا میں آفتیں دو قسم کی ہوتی ہیں' آسمانی مصیبتیں اور زمینی آفتیں۔ آسمانی آفت سے بچنے کیلئے اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا ضروری ہوتا ہے جبکہ زمینی آفت سے بچاؤ کیلئے انسانوں کا متحد ہونا' وسائل کا بھرپور استعمال اور حکمرانوں کا اخلاص درکار ہوتا ہے۔ یحییٰ بن خالد نے ہارون الرشید کو کہا تھا ''بادشاہ سلامت آسمانی آفتیں اس وقت تک ختم نہیں ہوتیں جب تک انسان اپنے رب کو راضی نہیں کر لیتا' آپ اس آفت کا مقابلہ بادشاہ بن کر نہیں کر سکیں گے چنانچہ آپ فقیر بن جائیے۔ اللہ کے حضور گر جائیے' اس سے توبہ کیجئے' اس سے مدد مانگیے''۔ دنیا کے تمام مسائل اور ان کے حل کے درمیان صرف اتنا فاصلہ ہوتا ہے جتنا ماتھے اور جائے نماز میں ہوتا ہے لیکن افسوس ہم اپنے مسائل کے حل کیلئے سات سمندر پار تو جا سکتے ہیں لیکن ماتھے اور جائے نماز کے درمیان موجود چند انچ کا فاصلہ طے نہیں کر سکتے۔ مکرم قارئین کرام چلتے، چلتے ایک آخری بات عرض کرتا چلوں کہ اگر کبھی کوئی ویڈیو، قول، واقعہ، کہانی یا تحریر وغیرہ اچھی لگا کرے تو مطالعہ کے بعد مزید تھوڑی سی زحمت فرما کر اپنے دوستوں سے بھی شیئر کر لیا کیجئے، یقین کیجئے کہ اس میں آپ کا بمشکل ایک لمحہ صرف ہوگا لیکن ہو سکتا ہے کہ، اس ایک لمحہ کی اٹھائی ہوئی تکلیف سے آپ کی شیئر کردہ تحریر ہزاروں لوگوں کے لیے سبق آموز ثابت ہو....!

زعیم قادری کا زعم

چوہدری نعیم احمد باجوہ

22 جنوری 2018 کا دن تھا۔ ڈاکٹر دانش صاحب کے پروگرام ''پوائنٹ آف ویو'' میں زعیم قادری صاحب نے احمدیوں کے معاملے میں اچھل کر اور فقرہ اچک کر بیان داغا۔ قادری صاحب نے ایڑیاں اونچی کر کے بڑے فخر اور طمطراق سے اس بات کو بیان کیا کہ کس طرح انہوں نے جماعت احمدیہ کو قرآن مجید کی خدمت کرنے اور اسکے تراجم شائع کرنے سے روکا۔ وہ اس وقت اپنی اس کارروائی پر نازاں ہو کر اپنے آقاؤں سے شاباشی لینے کے لئے گردن اونچی کر رہے تھے۔ ان کا بیان ملاحظہ ہو:

''(میں نے) اس کو بین کیا۔ اس پر چھاپے مارے۔ ان پریسوں کو بند کیا۔ ان لوگوں پر پرچے درج ہوئے''۔ پھر اپنی بدبختی پر مہر لگاتے ہوئے جھوٹی عزت اور داد وصول کرنے کی خواہش میں اتنا آگے چلے گئے کہ یہ بات بھی کہہ دی۔ ''اور اگر اب بھی کوئی (احمدی) یہ کام کرے گا تو میں خود اپنے ہاتھ سے جا کے اس کا گلہ دبا دوں گا'' اور پھر خدا اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے دی گئی امان کو بھی چیلنج کر گئے۔ اور یہ بیان دیا۔ ''...میں تو ان (احمدیوں) کو آئین کے مطابق جو غیر مسلم کے حقوق ہیں وہ تک دینے کو تیار نہیں ہوں۔''

(پروگرام پوائنٹ آف ویو ۲۲ جنوری 2018)

جہاں تک احمدیوں کی حفاظت کا تعلق ہے اور حقوق کی بات ہے تو احمدیوں نے اس بات کو بڑی اچھی طرح سمجھ لیا ہے کہ وہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کی امان میں ہیں۔ اپنے حقوق کے لئے کسی قادری شادری کے ترلے منتیں انہوں نے ڈالے ہیں، توقع کی ہے اور نہ آئندہ کوئی ایسی امید ہے۔ ایک سو تیس سالہ تاریخ اس پر گواہ ہے۔

رہی بات قرآن مجید کے تراجم شائع کرنے کی تو آج کرہ ارض پر احمدیوں سے بڑھ اگر کوئی قرآن مجید کی اشاعت کر رہا ہے تو اسے سامنے لائیے۔ احمدی قرآن مجید کے تراجم اس وقت سے شائع کر رہے ہیں جب یہ قادری تو کیا اس کا باپ بھی پیدا نہیں ہوا تھا۔ اقوام عالم کی معروف ستر سے زائد زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم کی تکمیل اور اشاعت تو احمدی کب سے کر چکے۔ اور ان تراجم کو وہاں تک پہنچا چکے جہاں اس سے پہلے آواز حق نہیں پہنچی تھی۔ خطہ ارض کے کسی ایک حصہ پر کسی بدبخت نے احمدیوں کو قرآن مجید کی اشاعت سے روک کر اپنی بدبختی اور روسیاہی میں اضافہ کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کیا۔ اس بدبختی میں اضافے اور ذلت و رسوائی کی تازہ مثال اسی زعیم قادری کی ان کے بیان کے ٹھیک پانچ ماہ بعد ۲۱ جون ۲۰۱۸ کو ہونے والی پریس کانفرنس ہے۔ مجھے اس قادری کی سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اور نہ میرے اوقات کا اتنا سستا استعمال ہو سکتا ہے کہ میں کسی سیاستدان کی گندی بیان بازیوں پر تبصرہ کروں۔ لیکن یہاں یہ معاملہ جائے عبرت کا ہے۔ قرآن مجید کی اشاعت پر احمدیوں کا گلہ دبانے کا اعلان کرنے والے ایک روسیاہ کا ہے۔ خدا اور رسول ﷺ کی طرف سے دی گئی امان پر بدبختی سے وار کرنے والے کے انجام کا ہے۔ اس کی ذلت و رسوائی کی ابتدا کا ہے۔

زعیم قادری کی پریس کانفرنس کی مکمل ریکارڈنگ میں نے سنی۔ اس کی کرلاتی رُوح کی دُہائیاں دیکھنے کے لائق تھی۔ گلہ دبانے کی دھمکیاں دینے والے کی پھولی ہوئی رگیں ساری دنیا نے دیکھیں۔ تکلیف سے باہر آتے ڈیلے سب نے ملاحظہ کئے۔ دوسروں کے چہروں سے نفرت کرنے اور ان کو لائیو ٹی وی شو میں بیٹھ کر قتل کی دھمکیاں دینے والے نے خود اعلان کیا کہ اس کی پارٹی نے اس لئے عہدے سے فارغ کیا تھا کہ اس کی شکل ناپسندیدہ قرار دی گئی تھی۔ اب اگر یہ قادری خود آ کر اعلان نہ کرتا تو دنیا کو معلوم ہی نہیں ہونا تھا کہ یہ اتنا مکروہ ہے کہ خود اس کے اپنے اس کی بدشکلی سے متنفر ہیں اور اس کی بدصورتی کی وجہ سے اسے الگ کیا گیا تھا۔ موصوف نے بتایا کہ میں ---بوٹ پالش نہیں کر سکتا۔'' یہ کوئی مقام مدح تو نہیں ہے کہ میں بوٹ پالشیا نہیں ہوں۔ میں مالشیاں نہیں ہوں۔ اگر دس سال ایک پارٹی کے ساتھ رہے، چند دن قبل تک پارلیمانی کمیٹی کے ممبر تھے اور دس دن پہلے تک پارٹی کا دفاع کرنے اور ہر جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لئے روزانہ پانچ پانچ گھنٹے ٹی وی پر بیٹھتے رہے تو کیا ان دس سالوں میں بوٹ پالش کروائے بغیر ہی وہ پارٹی ان کو اہمیت دیتی رہی۔ ہمیں یہ بات بھی معلوم نہیں ہونا تھی اگر یہ خود نہ بتاتے۔ کہتے ہیں میں مالشیا نہیں ہوں۔ موصوف آج مالشیا ہونے سے انکاری ہیں۔ لیکن پچھلے

دس سالوں کی مالش کی کہانی بھی تو سنائیں۔ ان کی غلامی، اور دس سال بوٹ پالشیے اور مالشئے ہونے کی کہانی معلوم نہ تھی لیکن قادر وقدیر خدا نے خود ان کے منہ سے لائیو پریس کانفرنس میں ایسے الفاظ نکلوائے جو ایک شریف آدمی اپنے لئے پسند نہیں کرتا۔ اپنی بیوی کے متعلق بھی کہا کہ وہ نوکرانیوں کی فہرست میں نہیں رہ سکتی۔ اس سے بھی ظاہر و باہر ہے کہ جب تک یہ لوگ اس پارٹی کے ساتھ رہے وہاں ان کی اوقات کتنی اور کیا تھی۔ ایک غلام سے زیادہ کوئی حثییت نہ تھی۔ اس ذلت اور غلامی کا اعلان آج خدا نے خود ان کے منہ سے کروادیا۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار۔**

چند دن پہلے تک مضبوط وزیر کہلانے والے کی چیخیں ساری دنیا نے دیکھی ہیں۔ کہتے ہیں ''میں نہیں ہوسکتا بے عزت کسی سے''۔ عزت اور ذلت خدا کی طرف سے آتی ہے۔ جب خدا کسی کی ذلت کا فیصلہ کرلے تو صرف موشگافیوں سے عزتیں قائم نہیں رہا کرتیں۔ صرف رب کعبہ کا نام لیکر اس سے مدد مانگ کر پریس کانفرنس کرنے سے مدد نہیں آجایا کرتی۔ احمدی بھی اسی رب کعبہ کا نام لیکر اسی رب کعبہ کی پاک کتاب قرآن مجید کو شائع کرتے ہیں۔ جن کو آپ نے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر پابند سلاسل کیا، پریس بند کیے پرچے کاٹے اور چھاپے مارے۔ پھر سر عام اس کا اعلان بھی کیا۔ جب آپ احمدیوں کا گلہ دبانے اور قرآن کی اشاعت سے روکنے کے لئے دھمکیاں دے رہے تھے۔ اپنے زعم میں طاقتور وزیر بن کر فرعونیت کی سرحدیں چھو رہے تھے۔ اور اپنے نام کے ساتھ قادری لکھنے کے باوجود اس قادر وقدیر کی قدرت سے بے خوف تھے۔ بھول رہے تھے کہ وہ غضب میں دھیما ہے لیکن بھولتا نہیں۔ آپ بھول رہے تھے کہ خدا کے نبیوں کی سادہ مخالفت پر عذاب نہیں آتے۔ عذاب شرارتوں میں بڑھ جانے پر آیا کرتے ہیں۔ عذاب اس کے غضب کو آوازیں دینے پر آتے ہیں۔ عذاب خدا کے بھجوائے ہوؤں کے گلے دبانے کی کوشش کرنے پر آتے ہیں۔ لیکن اچھل اچھل کر بڑھکیں مارنے والے خدا کے پیاروں کے گلے تو بہت دور، ان کی خاک پا کو بھی چھو نہیں سکتے۔ گلے تک ہاتھ کب پہنچتا ہے اور کب وہ پہنچنے دیتا ہے کہ اپنے پیاروں کے لئے غیرت رکھتا ہے۔ ایسی غیرت کہ کوئی اور وجود کسی اور کے لئے نہیں رکھ سکتا۔

چند دن قبل کالم نگار جاوید چوہدری صاحب اپنے کالم مورخہ 19 جون 2018ء میں زیر عنوان ''مان لیں'' میں اپنے ایک دوست کے ساتھ اپنے مکالمے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں تم سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ وہ ہمہ تن گوش ہوگیا۔ میں نے پوچھا ''نمرود، فرعون اور ابوجہل کا انجام کیوں برا ہوا تھا؟'' اس نے تھوڑی دیر سوچا اور مسکرا کر بولا ''یہ لوگ مشرک تھے۔ لہٰذا یہ اللہ کے عذاب کا شکار ہو گئے''۔ میں نے ہاں میں گردن ہلائی اور اس کے بعد عرض کیا ''میرے عزیز یہ فقط ایک پہلو ہے، اس کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے''۔ اس نے پوری طرح آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا۔ میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام کو عزت بخشی لیکن ان لوگوں نے انبیاء کرام کی توہین شروع کر دی۔ چنانچہ یہ لوگ اللہ کے عذاب کا شکار ہوگئے۔ تم دیکھ لو ان انبیاء کرام کے ادوار میں بے شمار ایسے لوگ تھے جو پوری زندگی شرک پر قائم رہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں کسی قسم کی سزا نہ دی۔ کیوں؟ کیونکہ یہ لوگ شرک کے ساتھ انبیاء کرام کی توہین نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انہیں نمرود، فرعون اور ابوجہل کے انجام سے بچائے رکھا۔ میرا دعویٰ ہے جب قدرت لوگوں کو عزت دیتی ہے تو اسکی خواہش ہوتی ہے اس کے بندے بھی اسکا احترام کریں، وہ بھی اس شخص کی عزت کریں لیکن جب کوئی شخص ان لوگوں کی توہین کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے برداشت نہیں کرتا وہ اسے اپنے فیصلے، اپنے کرم اور اپنے رحم کی توہین سمجھتا ہے۔'' اگر احمدیوں کی بات نہیں مانتی تو اپنے دانشوروں کی ہی مان لیں۔ لیکن احمدیوں کے گلے کاٹنے کا اعلان کرنے والے قادری کو شاید یہ علم ہی نہیں کہ یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور ہے۔ اور **انی مھین من اراد اھانتک** کی بشارت پکار پکار کر اعلان کر رہی ہے کہ ''جو تیری ذلت اور اور رسوائی کا ارادہ بھی کرے گا میں خود اسے نیست و نابود اور ذلیل وخوار کر کے رکھ دوں گا۔ پھر کوئی جائے پناہ نہیں رہے گی کہ اس درویش ولی اللہ نے تو لکھ دیا تھا: ''جو شخص خدا تعالیٰ کے مامور کی مخالفت کرتا ہے وہ اسکی نہیں بلکہ حقیقت میں وہ خدا تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے۔ یاد رکھو خدا تعالیٰ اگرچہ سزا دینے میں دھیما ہے مگر جو لوگ اپنی شرارتوں سے باز نہیں آتے اور بجائے اس کے کہ اپنے گناہوں کا اقرار کر کے خدا تعالیٰ کے حضور جھک جائیں الٹے خدا تعالیٰ کے رسولوں کو ستاتے اور دکھ دیتے ہیں وہ آخر پکڑے جاتے ہیں اور ضرور پکڑے جاتے ہیں۔'' (ملفوظات ۵ ص ۴۱۳)

***

امجد مرزا کے ساتھ چند قہقہے

ڈر:: ایک مریض زور زور سے رو رہا تھا، ڈاکٹر نے اس سے کہا کہ تمہیں معمولی سی چوٹ لگی ہے اور رو اس طرح رہے ہو جیسے کہ بہت بڑا حادثہ ہو گیا ہے۔ تو مریض نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا ''جناب جس گاڑی سے مجھے ٹکر لگی ہے اس کے پیچھے لکھا تھا ''پھر ملیں گے۔''

بلا:: تعلیم یافتہ عورت کو ایک نجومی نے بتایا کہ جلد ہی ایک بہت بڑی آفت تمہارے سر سے ٹلنے والی ہے۔ تو اس عورت نے اشتیاق سے کہا۔'' یہ بتایئے! کہ پولیس کو مجھ پر کوئی شک تو نہیں ہوگا۔''

بھوت:: ایک عورت نے اپنے شوہر کی شراب نوشی کی عادت چھڑوانے کے لئے اسے ڈرا کر سدھارنے کا سوچا۔ رات کو وہ سارے جسم پر سفید چادر لپیٹ کر اس قبرستان میں جا چھپی جس راستے اس کا خاوند شراب خانے سے آتا تھا۔ جب اس کا خاوند لڑکھڑاتا ہوا اس کے نزدیک پہنچا تو عورت چیختی ہوئی قریبی قبر کی اوٹ سے نکلی اور خوفناک آواز بنا کر بولی۔'' ٹھہرو میں بھوتوں کا سردار ہوں اور میں تمہیں..'' اس کے خاوند نے جھومتے ہوئے بڑی بے نیازی سے کہا۔'' تو ہاتھ ملا و یار! میری شادی تمہاری بہن کے ساتھ ہوئی ہے۔''

مشورہ:: ''ہیلو امریکہ! کیا حال ہے۔ کیوں پریشان سے لگتے ہو؟ اچھا۔۔ بچہ پیدا ہوا ہے... کیا کہا... اس کے والد کا کوئی پتہ نہیں لگ رہا...؟ ارے تو فکر کیوں کرتے ہو۔۔ اسے اسامہ بن لادن کے نام لگا دو ...بلکہ میری بات سنو! اگر چار پانچ اور بھی ہوں تو بھی اسی کے ذمہ لگا دو۔۔ کون اس نے پکڑے جانا ہے...''

اتفاق:: پانچ بھائیوں نے مل کر ایک ٹیکسی خریدی ماں نے نصیحت کی کہ بیٹے ہمیشہ اکٹھے مل کر کاروبار کرنا۔ رات کو جب سارا دن شہر کے بازار گلیوں کا چکر لگا کر گھر لوٹے تو ماں نے پوچھا کہ کتنے پیسے کمائے ہیں تو ان میں سے بڑا بھائی بولا۔'' پیسے اماں خاک کمانے ہیں ہم ٹیکسی میں بیٹھے سارا دن شہر گھومتے رہے مگر کسی گاہک نے ہماری ٹیکسی کو روکا ہی نہیں۔۔''

کیا بات ہے پاکستان کی :: بیٹے نے اصرار کیا کہ میں امریکہ جاؤں گا تو باپ نے سمجھاتے ہوئے کہا۔'' تم امریکہ نہ جانا وہاں سخت سردی پڑتی ہے چھ چھ ماہ پائپوں میں پانی جما رہتا ہے سال سال وہاں کوئی نہاتا نہیں ادھر پاکستان کی کیا بات ہے۔ پائپ کو بند کر کے اوپر اینٹ بھی رکھ دو تو بھی سارا دن پانی ٹپ ٹپ کرتا رہتا ہے...''

آزمائش:: ''جانو! تم میرے لئے کیا کیا چھوڑ سکتے ہو۔'' محبوبہ نے اپنے دوکاندار عاشق کو آزمایا۔'' محمد صدیق سے جو ساڑھے پانچ ہزار لینے تھے۔ اس میں سے اسے پچاس چھوڑ دوں گا۔'' عاشق کا جواب تھا۔

خودکشی:: ایک سکھ تالاب کے کنارے بیٹھا تھا ساتھ ہی ایک مینڈک بھی بیٹھا تھا۔ مینڈک نے کہا۔''سردار جی! سگریٹ ہے۔؟'' سردار جی نے غصے سے کہا۔''نہیں اوئے! سردار سگریٹ نہیں پیتے۔''

کیا آپ جانتے ہیں۔ وسعت اللہ خان

گوگل کا CEO بھارتی (سندر پیچائی) مائیکروسافٹ کا CEO بھارتی (ستیا ناڈیلا) اڈوب کا CEO بھارتی (شانتو نرائن) کوگز نیٹ کا سی ای او، فرانسیسکو ڈی سوزا۔ نوکیا کا سی ای او، راجیو سوری گلوبل فاونڈریز کا سی ای او، سنجے کمار۔ ہرمین انٹرنیشنل کا سی ای او، دنیش پالی وال نیٹ ایپ کا سی ای او، جورج کورین۔ پیپسی کولا کی سی ای او، اندرا نوئے ماسٹر کارڈ کا سی ای او، اجے بانگا۔ ڈی بی ایس کا سی ای او، پائیش گپتا ریکٹ بینکیزر کا سی ای او، راکیش کپور۔

سبینہ سحر

کسی کا ذکر میں ایسے کروں، خدا نہ کرے
میں تیرے بعد بھی زندہ رہوں خدا نہ کرے
ازل سے لکھے ہوئے ہو مرے نصیب میں تم
تمہارے بعد کوئی سانس لوں، خدا نہ کرے
تری رگوں میں مرا پیار دوڑتا ہی رہے
تیری نظر سے کبھی میں ہٹوں، خدا نہ کرے
مرے تو خواب بھی مشروط تیری نیند سے ہیں
کسی کی آنکھ میں سپنے بُنوں، خدا نہ کرے
میں اک چراغ کی صورت ہوں آنکھ میں، لیکن
سحر کے ہوتے ہوئے بھی جلوں، خدا نہ کرے

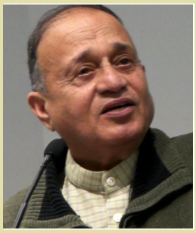

اُمِ عائشہ چیریٹی کی جانب سے عید مبارک کا پروگرام
لندن کے معروف چوہدری ہوٹل میں ایک یادگار شام

امجد مرزا امجد

یوں تو برطانیہ میں قسم قسم کی چیریٹی تنظیمیں ہاتھ میں کشکول لئے جہاں ٹیوی کے ہر چینل پر نظر آتی ہیں وہاں آئے دن مختلف شہروں میں پروگرام کر کے ہر قسم کے حیلے بہانوں سے کثیر رقم جمع کرتی نظر آتی ہیں۔مگر یہ پہلی تنظیم ''ام عائشہ چیریٹی'' جس کے بانی لندن کے معروف مذہبی اسکالر علامہ محمد اسماعیل ہیں۔جن کی چیریٹی کے دو پروگرام میں نے دیکھے جہاں کبھی کسی مہمان سے رقم مانگ کر شرمندہ نہیں کیا جاتا۔علامہ محمد اسماعیل صاحب اقرا ٹیوی پر بھی مذہبی پروگرام دیتے ہیں اور والتھم سٹو میں بچیوں کی مذہبی تعلیم و تربیت کا سلسلہ بھی قائم ہے۔مورخہ یکم جولائی بروز اتوار کو امِ عائشہ چیریٹی کی جانب سے عید مبارک کا پروگرام رکھا گیا جو ایڈمنٹن لندن کے معروف ''چوہدری ہوٹل'' میں شام کے پانچ بجے رکھا گیا۔ہوٹل کے نہایت خوبصورت بیسمنٹ میں پچیس کے قریب مہمان تھے۔اس پروگرام کے دو حصے تھے پہلے حصے کی نظامت علامہ محمد اسماعیل صاحب نے کی جبکہ دوسرا حصہ لندن کی ادبی شخصیت معروف ادیب شاعر امجد مرزا امجد کے سپرد تھا جنہوں نے نعتیہ مشاعرہ ترتیب دیا ہوا تھا۔اسٹیج پر والتھم سٹو لندن کی معروف شخصیات چوہدری دلپزیر، معروف مورخ محقق نو کتابوں کے مصنف قاضی عبد الرؤف، مسجد غوثیہ کے جنرل سیکریٹری اردو پنجابی کے معروف شاعر راجہ محمد الیاس، سابقہ میئر والتھم فاریسٹ کونسلر مسعود احمد، کونسلر حاجی محمد اصغر، سابقہ میئرس یمی ہو شو تشریف فرما تھیں۔علامہ محمد اسماعیل صاحب نے اپنی خوبصورت آواز میں کلام پاک کی تلاوت سے پروگرام کا آغاز کیا۔جس کے بعد پہلی بار علامہ محمد اسماعیل اور امجد مرزا امجد نے مل کر نعت پڑھی جس پر تمام سامعین نے خوب داد دی۔

سورۃ یاسین کا ختم شریف ہوا اور تمام مرحومین کی مغفرت کے لئے دعا مانگی گئی ،مرحوم فاروق قریشی جو والتھم فاریسٹ کے سابقہ میئر اور نہایت پسندیدہ شخصیت تھے کے لئے بھی خصوصاً دعا کی گئی۔علامہ محمد اسماعیل صاحب نے طب نبوی کی روشنی میں خوراک اور روز مرہ کی مصروفیات کے بارے میں نہایت خوبصورت پیرائے میں روشنی ڈالی جس کا انگریزی میں ترجمہ جناب عابد صدیقی صاحب نے کیا۔دوسرے حصے کی نظامت امجد مرزا نے اپنے خاص انداز میں کی اور مترنم نعتیہ حمد یہ دعا پڑھی۔اور پھر موجودہ شعرا کو دعوت دی جن میں اسلم چغتائی، محمود علی محمود نجمہ شاہین، روزنامہ دھنک کی مدیرہ سیدہ کوثر شرقپوری، راجہ محمد الیاس اور ممتاز سماجی کاروباری سیاسی شخصیت چوہدری دلپزیر نے آ کر اپنے مخصوص انداز میں سیف الملوک کے اشعار نہایت خوبصورت ترنم کے ساتھ سنا کر داد وصول کی۔شعرا کے علاوہ سابقہ میئر کونسلر مسعود احمد، کونسلر حاجی محمد اصغر، ڈاکٹر شوکت نواز، ممتاز ادیب رؤوف قاضی، سیدہ کوثر شرقپوری سابقہ میئرس کونسلر یمی شو نے آج کے اس پروگرام کو پسند کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ آئیندہ بھی اسی نوع کے پروگرام مرتب ہونے چاہیں۔علامہ محمد اسماعیل صاحب کی اس کاوش کو تمام مدعو مہمانوں نے پسند کرتے ہوئے اصرار کیا کہ مستقبل میں اسی طرح کا اجتماع ہو جس میں کمیونٹی کے مختلف مکتبہ فکر کے لوگ اکٹھے بیٹھ کر کمیونٹی کے مسائل کے حل کی تلاش کے علاوہ ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھ کر محبت و اتحاد کی فضا کو قائم رکھیں۔

جس پر علامہ محمد اسماعیل صاحب نے وعدہ کیا کہ آج اس پروگرام کا پہلا حصہ تھا اور انشاء اللہ ہم ہر ماہ اسی نوع کا پروگرام مرتب کرتے رہیں گے۔۔

پروگرام کے اختتام پر چوہدری ہوٹل کے پرلطف کھانوں کے لئے جو درجنوں قسم کے بوفے کی شکل میں تھے تمام مہمانوں نے خوب سیر ہو کر تناول کیے اور کافی دیر تک سب احباب ایک جگہ بیٹھ کر چائے کے ساتھ گپ شپ میں مصروف رہے۔اس طرح یہ یادگار محفل رات کے دس بجے اپنے اختتام کو پہنچی اور تمام مہمان نہایت خوبصورت یادوں کے ساتھ علامہ محمد اسماعیل صاحب کو دعائیں دیتے رخصت ہوئے۔***

بزم قندیل شعر و سخن لندن

کے زیر اہتمام انٹرنیشنل

عظیم الشان مشاعرہ

مورخہ 9 اگست 2018 بروز جمعرات 5 بجے شام بمقام

Ackroydon hall 26 Montfort place SW19 6QL Princessway Southfield

مہمانان خصوصی

امام عطاء المجیب راشد، سر افتخار احمد ایاز، ضیاء اللہ مبشر، مبارک احمد صدیقی، لئیق احمد عابد، عبد الصمد قریشی،

مشہور شرکت کرنے والے شعراء

آدم چغتائی، امجد مرزا امجد، طفیل عامر، بشارت احمد بشارت، بسم اللہ کلیم، عبد القدیر کوکب، شائق نصیر پوری، واحد اللہ جاوید، اسحاق عاجز، جلال شمس۔ طاہر مجید، کنیڈا، ناروے، امریکہ، پاکستان سے تشریف لانے والے شعراء کی آمد بھی متوقع ہے۔

چشم براہ

حنیف کامران، نعیم رضا، منظور ریحان، ڈاکٹر کاشف، عاصی صحرائی، فضل عمر ڈوگر، اشرف خاکی، طارق صفدر، بسم اللہ کلیم،

نظامت

رانا عبد الرزاق خان

سینئر صحافی، کالم نگار، شاعر و ادیب، صدر بزم قندیل شعر و سخن لندن

فون نمبر 00447886304637

دوست وقت کی پابندی کا خیال رکھیں۔

SARMAD GLOBAL
CHARTERED ACCOUNTANTS

QUALIFIED CHARTERED ACCOUNTANTS WITH BIG 4 EXPERIENCE

FREE TELEPHONE / EMAIL & WHATSAPP SUPPORT

- ✓ Company incorporation / Registered Office Address
- ✓ Personal Income Tax Return investigations,
- ✓ Rental Income Tax Returns
- ✓ UK State Pension Entitlement Review
- ✓ Advice on filling Gaps in UK State Pension
- ✓ UK State Pension / (Contracted Out) Tracing
- ✓ Private UK Pension Tracing.
- ✓ Assets Review for Inheritance Tax
- ✓ Appealing-Past years HRMC Penalties
- ✓ Preparation / Filing of Prior year tax returns
- ✓ Duplicate-Payslips/ P60s

ICAEW CHARTERED ACCOUNTANTS

SARMAD KHAN ACA, FCCA

OFFICE 115 LONDON ROAD MORDEN SURREY SM4 5HP UK
TEL +44(0)208 646 3666 FAX +44 (0)208 082 5002
E-MAIL: INFO@SARMADGLOBAL.COM
WEB. WWW.SARMADGLOBAL.COM
CELL +44 (0) 7903 416966

PASS PLUS REGISTERED INSTRUCTOR
Driving Standards Agency Approved Driving Instructor

LATIF
Driving Center

WANT TO PASS FIRST TIME
LET US ASSIST YOU

AUTOMATIC & MANUAL

WE TEACH ACCORDING TO THE NEW RULES

FEMALE INSTRUCTORS

INTENSIVE COURSE

FREE
TEST BOOKING

SPECIAL OFFER 10 Hours £250

Bashir Tahir - 079 0380 2266
b.tahir@hotmail.co.uk

property renting
made
EASY & SIMPLE

N2 LETTINGS
ESTATE AGENTS

020 34170607 www.n2lettings.com

SHARIF
JEWELLERS
SINCE 1952

Timeless Jewels, Priceless Memories

Diamond • Gold • Kundan • Bespoke • Bridal Jewellery
Jewellery Repairs • Bullion Dealer • Best Jewellery Appraisal

WEDDING | PARTY | EVERYDAY

/SharifJewellers

LONDON
28 London Road, Morden
United Kingdom, SM4 5BQ
+44 (20) 3609 4712
+44 (0) 7405 929 636

RABWAH
Aqsa Road, Rabwah
Pakistan, 35460
+92 (47) 6212515
+92 (0) 307 465 7777

RASHID & RASHID
Solicitors, Advocates
Immigration Specialists
Commissioners of Oaths

راشد احمد خان
وکیل (پرنسپل)

Benefit with very competitive rates, tailored advice & service to suit your specific needs, 24 hour response to all online enquiries and our many years of experience
www.rashidandrashid.co.uk

مناسب ریٹس میں آپ کی مخصوص ضروریات کے تحت موزوں مشورہ، 24 گھنٹے آن لائن سروس اور ہمارا سالوں کا تجربہ

- Asylum & Immigration
- New Point Based System
- Settlement Application (ILR)
- European Law
- Nationality & Travel Documents
- Human Rights Applications
- High / Court of Appeals
- Family Matters and Divorce
- Switching Visas
- Over Stayers
- Legacy Cases
- Work Permits
- Visa Extensions
- Judicial Reviews
- Tribunal Appeals
- Student appeals

- اسائلم/سیاسی پناہ اور امیگریشن
- سیٹلمنٹ درخواست (ILR)
- نیشنیلٹی اور سفری دستاویزات
- ہائی/کورٹ آف اپیل
- نیا پوائنٹ بیسڈ امیگریشن سسٹم
- یورپین قانون
- درخواست برائے انسانی حقوق/ہیومن رائٹس
- طلاق و دیگر خاندانی معاملات
- ویزا میں تبدیلی
- اوور سٹیئرز
- وراثتی معاملات/لیگیسی کیس
- ورک پرمٹ
- ویزا توسیع/ایکسٹینشن
- جوڈیشل ریویو
- ٹرائبیونل اپیل
- سٹوڈنٹس اپیل

FREE CONSULTATION & LEGAL ADVICE
24 Hours Emergency Numbers

مفت قانونی مشاورت
24 گھنٹے ایمرجنسی سروس

07878 33 5000 / 07774222062

RASHID & RASHID LAW FIRM
211, The Broadway, Southall, UB1 1NB.
Near McDonalds Southall.
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

190 Merton High Street, Wimbledon
London SW191AX
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

راشد اینڈ راشد لاء فرم
211، دا براڈوے، ساؤتھ ہال، UB1 1NB نزد میکڈونلڈز ساؤتھ ہال
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

190 میرٹن ہائی سٹریٹ، ویمبلڈن
لندن SW19, 1AX
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

SOW THE SEEDS OF LOVE